سوڈان کی مزے دار کہانیاں

محمد امین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سوڈان کی مزے دار کہانیاں

محمد امین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1987
تیسری طباعت	:	2009
تعداد	:	1100
قیمت	:	-/18 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	555

Sudan ki Mazedar Kahaniyan

by

Mohammad Ameen

ISBN :978-81-7587-322-3

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر.کے. پورم، نئی دہلی۔110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5 لارنس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110053

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر

انتساب

میری لاڈلی بیٹی رعنا سعید

کے نام

جسے کہانیاں پڑھنے کا شوق

تھا اور اب بھی ہے۔

تعارف

سوڈان کا کیا محل وقوع ہے؟ یہ کہاں واقع ہے؟ کیا آپ نے دریائے نیل کا نام سنا ہے؟ یہ دنیا کے بہت بڑے اور لمبے دریاؤں میں سے ہے۔ یہ کس براعظم کا مشہور دریا ہے؟ اگر دنیا کے نقشے میں براعظم افریقہ کو آپ ڈھونڈھ لیں تو آسانی سے دریائے نیل مل جائے گا۔ پھر کیا ہے۔ اسی دریائے نیل کی وادی میں سوڈان واقع ہے۔ سمجھیے کہ نچلے حصے میں مصر ہے اور درمیان میں سوڈان ہے۔

رقبے کے لحاظ سے سوڈان افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ کل رقبہ 2505805 مربع کلومیٹر ہے (967481 مربع میل)۔ افریقہ کے کل رقبے کا یہ 8 فیصد ہے اور دنیا کے کل رقبے کا 2 فیصد ہے۔

سوڈان کا لفظ عربی زبان سے لیا گیا ہے۔ اسی لیے عربی میں اس کا نام بلادالسودان ہے اور اس کے معنی حبشی لوگوں کی سرزمین ہے۔ سوڈان کی کل آبادی 16489000 ہے۔

جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے سوڈان قدیم زمانے سے ایک اہم ملک رہا ہے۔ بہت پہلے جب انسان کا کہیں دُور دُور پتہ نہیں تھا تو ان دنوں سوڈان کا قدرتی ماحول نرالا تھا۔

اس کے تین خطے ہیں۔ جنوبی، درمیانی اور شمالی۔ جنوبی خطے میں گھنے قسم کے استوائی جنگلات ہیں۔ درمیان خطے میں گھاس کے میدان ہیں جو سرسبز وشاداب رہ کر سال بھر لہلہاتے رہتے ہیں۔ شمالی خطہ ریتیلا ہے جہاں کے ریگستان صحرائے اعظم کے حصے ہیں۔ شمالی مشرقی حصہ جو بحر قلزم کے ساحل کی طرف واقع ہے وہ آمد ورفت کی آسانی اور سمندر کی قربت کی وجہ سے بدل رہا ہے اور کپاس کی برآمد کی وجہ سے تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

سوڈان میں دریائے نیل اور اس کے معاون دریاؤں میں پانی سال بھر لبریز رہتا ہے۔ اس کی روانی میں کبھی مشکل سے کمی آتی ہے۔ ان دریاؤں کو جا کر دیکھیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان میں کتنی سخاوت ہے۔ پانی بافراط، ہر وقت رواں دواں نظر آئے گا گویا کہ دریا کہہ رہے ہیں کہ ہم بہتے اسی لیے ہیں کہ ہم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ سوڈان نے جگہ جگہ باندھ بنا کر دریاؤں سے نہریں نکال لی ہیں اور ان کے پانی کو آب پاشی کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

ایتھوپیا میں اپنے اٹھائیس مہینے قیام کے دوران امریکن، نارویجین اسکاچ یلغارین اور ایتھوپین ساتھیوں کے ہمراہ ہم نے ایک ٹور کا پروگرام بنایا تھا۔

یہ سفر ذرا خطرناک تھا اور عام قسم کے سیر وتفریح کے پروگرام سے مختلف تھا۔ ہم سب نے تیگرے موبے کے گورنر کی مدد سے دریائے نیل یعنی نیلے نیل کا منبع دیکھا

تھا۔ اس سے یہ حوصلہ ہوا تھا کہ کشتی اور اسٹیمر کے ذریعہ سفید نیل کا سفر بھی اختیار کیا جائے۔

چنانچہ ہم سب نے تیاریاں شروع کر دیں۔ جب سارا پلان مکمل ہو گیا تو ہم سبھی ساتھی گورنر کے ڈرائیور اور پرائیوٹ سکریٹری کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔

سوڈان کی سرحد ایتھوپیا سے ملی ہوئی ہے۔ جنوبی مغربی راستے سے ہم سوڈان پہنچے۔

سوڈان کے اکوٹیوریا صوبے میں واقع سُد کی نشیبی جھیل میں کئی خطرناک قسم کے جانور تھے جو ہمیں لقمۂ اجل بنانے کے لیے مُنھ کھولے کھڑے تھے۔ مصلحت اسی میں تھی کہ اس جھیل کو نظر انداز کیا جائے۔ چنانچہ بغل کے دوسرے خشکی کے راستے سے جو بہت طویل تھا ہم نے جھیل پار کیا۔ یہ مشکل تمام ٹیڑھے میڑھے، بہت ہی دشوار، خطرناک بلکہ لرزہ براندام قسم کے نشیب و فراز جھیلنے کے بعد ہم لوگ خرطوم پہنچے۔

خرطوم سوڈان کا دارالسلطنت ہے۔ یہاں ہم نے چند دن قیام کیا اور خرطوم کے شہر کا جائزہ لیا۔ یہ سفید نیل اور نیلے نیل کے سنگم پر واقع ہے۔ شہر دلچسپ ہے۔ یہاں کتب خانے اور میوزیم بہت ہیں۔ یہ آمدورفت کا بھی زبردست مرکز ہے۔

خرطوم میں اپنے قیام کے دوران ہم وہاں کے چند احباب سے ملے۔ ان سے کچھ لوک کہانیاں ہم نے سنیں۔ کچھ اور ہم نے ان کی مدد سے حاصل کیں۔

سوڈان اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک مخصوص ملک ہے۔ اسی لیے اس کی کہانیوں کا انداز سب سے الگ تھلگ ہے۔ یہ اچھوتی اور دلچسپ ہیں۔ ان میں سے چند مخصوص قسم کی کہانیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ کل چھ ہیں۔

پہلی کہانی کا عنوان بندروں کی ٹولی اور چھوٹی لال ٹوپیاں ہے۔ دراصل

یہ ایک سوداگر کی کہانی ہے جو ترکی ٹوپی کی تجارت کیا کرتا تھا۔ ایک دن بازار سے تھوک میں بہت ساری ٹوپیاں خرید کر وہ انھیں بیچنے کے لیے دوسرے قصبے جا رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ کچھ تھک سا گیا تھا اور اس نے سوچا کہ ایک سائے دار درخت کے نیچے کیوں نہ تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لیا جائے۔ بس یہی اس کی غلطی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا کہانی پڑھ کر دیکھیے۔

دوسری کہانی ''پرندوں اور جانوروں کی جنگ'' ہے۔ جنگ، ہم نے پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کا حال پڑھ رکھا ہے۔ لیکن یہ پرندوں اور جانوروں کی جنگ، اس قسم کی جنگ ہم نے کبھی نہیں سُنی اور نہ اُس کا کوئی ذکر سُنا۔ کیا واقعی پرندوں اور جانوروں کی جنگ پہلے کبھی ہو چکی ہے؟ پڑھ کر دیکھیے خاص طور سے شُترمُرغ اور ہاتھی نے جو مورچے قائم کیے ہیں ان کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس جنگ میں لکڑبگھے کا کیا رول رہا ہے۔ اسے نوٹ کیجیے اور اس کی فطرت اور عادت دن میں جو چھپے رہنے کی ہے اس کا کیا راز ہے۔

تیسری کہانی ''دو مکّار'' پر مبنی ہے۔ مکّار کا مطلب دھوکہ دینا، کسی کو بے وقوف بنانا، جل دینا، الٹی سیدھی باتیں کر کے اپنا مطلب نکالنا، شاطر اور چالاک بن کر موقع محل سے فائدہ اٹھانا، یہ اور اسی قسم کی حرکت مکّاری کے زمرے یا دائرے میں شمار ہوتی ہے۔ غرض سوڈان میں دو مکّار تھے۔ ان کو کوتو اور ماہا کہتے تھے۔ اتفاق کی بات یہ کہ بازار جاتے وقت ایک دن دونوں کی مُڈبھیڑ ہو گئی۔ دونوں نے کچھ اس طرح کی باتیں بنائیں اور ہیرا پھیری کا ثبوت دیا کہ ان کی آپس میں گاڑھی چھننے لگی۔ ظاہر ہے کہ ایک کے بجائے جب دو دماغ مل کر ساز باز کریں گے تو وہ زیادہ اپنے مقصد میں

کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ کوتو اور ماہا'' دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے اور انھوں نے طے کرلیا کہ اپنی بُری حرکتوں سے ساری دنیا کو تنگ کر دیں گے۔'' امیر یا خوش حال لوگوں پر ان کی نظریں زیادہ جمتیں اور وہ انھیں کو بے وقوف بنا کر اپنا مطلب پورا کرتے۔ یکے بعد دیگرے دونوں نے شہر کے رئیس مالدار شخص کو، ایک زمین دار کو اور گڈریے کو جھانسا دیا۔ پھر زبردستی ایک نوکرانی پکڑ کر اپنے گھر لائے اور اس سے گھر کا کام کاج ڈرا دھمکا کر انھوں نے لینے کی کوشش کی۔ انجام ان کا کیا رہا پڑھ کر دیکھیے اور یہ بھی دیکھیے کہ کیا اس کہانی سے کوئی سبق سیکھ سکتے ہیں۔

چوتھی کہانی ''چھ گھوڑسوار'' کی ہے۔ یہ کہانی سنسنی خیز ہے۔ ہوسا نام کے قبیلے کے لوگ سوڈان کے اس حصّے میں رہتے ہیں۔ جہاں گھاس کا میدان اور استوائی جنگلات کی سرحدیں ملتی ہیں اور اس سے کچھ دور شمال مغرب کی طرف بالو نام کا ایک سردار ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کرتا تھا۔'' لوگ اسے ڈاکو اس لیے کہتے تھے کہ وہ اونٹ یا گھوڑا جب بھی چاہتا سب کی آنکھوں کے سامنے سے اٹھا کر لے جاتا۔''

ایک دن اس ڈاکو نے موقع محل دیکھ کر پہلے سے طے شدہ سازش کے مطابق ہوسا قبیلے کے سردار کی ایک لڑکی کو اٹھا کر زبردستی لے گیا۔ ہر قسم کے خطرے سے بچنے کے لیے اُس نے اُسے لا کر اپنے قلعے میں بند کر دیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس لڑکی کی عزّت و آبرو کو کون بچائے گا اور بالو کے پنجے سے اُسے کون نجات دلائے گا۔ فِدے بی دوسرے سردار کا لڑکا تھا۔ وہ بہادر، خوبرو اور نڈر تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ بالو کو شکست دے گا اور ناسا کو بچا کر واپس لائے گا۔ چنانچہ تیار ہو کر وہ نکل پڑا۔ اس کی خوش قسمتی کہ راستے میں اسے پانچ اور گھوڑسوار ملے۔ ہر ایک نے اس کی مدد کا بیڑا

اُٹھایا اور اس میں شک نہیں کہ ہر گھوڑ سوار نے اس کی پوری پوری مدد کی۔ آخرش وہ بالو کے قلعے تک پہنچ گئے اور پھر آگے کیا ہوا پڑھ کر دیکھیے۔

کچھوا اور جادو کی ڈھولک پانچویں کہانی ہے۔ یہ کہانی بڑے اچنبھے کی کہانی ہے۔ ہر ہر قدم پر اور موڑ پر یہ انتظار کہ اب کیا ہوگا۔ سوڈان کے اکوے ٹوریا (استوائی) صوبے کے ایک گاؤں میں جس قبیلے کے لوگ رہتے تھے وہ ٹونا، ٹٹکا، جادو، منتر وغیرہ پر نہ صرف اعتقاد رکھتے تھے بلکہ یہی ان کا دھرم اور ایمان تھا۔ گاؤں کے سردار کا نام عدو تھا۔ وہ جُو جُو کی آواز کا مالک تھا۔ یہ آواز جادو کی آواز تھی۔ ''ایک دن ایسا ہوا کہ سردار عدو اپنی ڈھولک پر نئی کھال چڑھا رہا تھا۔ جب اس کی نسیں کھینچ کر تن گئیں تو سردار نے اس ڈھولک پر جو پہلا گیت گایا وہ جُو جُو کی تعریف میں تھا۔ اس طرح جُو جُو بہت خوش ہو گیا۔ درخت سے جُو جُو کی آواز آئی۔ 'عدو' واقعی تم اچھے ہو اور ہم تمھارے او پر مہربان ہیں اور اس ڈھولک کی آواز میں ہم نے اس کی لَے کے ساتھ ایک خاص کشش جذب کر دی ہے۔ جب تم اسے بجاؤ گے اور جو چیز بھی کھانے پینے کے لیے طلب کرو گے وہ خود بہ خود حاضر ہو جائے گی۔''

اس کے بعد سردار عدو نے ڈھولک بجا کر آزمایا اور خواہش ظاہر کی کہ میرے گھر پر سب کے لیے شکر قند کی کھیر پکی پکائی آجائے۔ اب کیا رہا؟ کھیر آئی کہ نہیں؟ اور اس کے بعد سردار نے اس ڈھولک سے فائدے اٹھائے کہ نہیں؟ کچھوے کے کیا ارمان تھے؟ کیا وہ پورے ہوئے؟ تلخ تجربے کے بعد کچھوے نے کیا سیکھا؟ کچھوے کی جو موجودہ فطرت ہے۔ اس کا کیا راز ہے۔ کچھوے کے بلائے ہوئے مہمانوں کا کیا انجام رہا؟ کچھوے نے جو جادو کی ڈھولک حاصل کر لی تھی وہ کیوں اس نے سردار کو

واپس کردی؟

یہ اور اسی طرح کی کئی اور باتیں اس کہانی میں درج ہیں۔ آزما کر دیکھیے کہ مزہ آتا ہے یا نہیں؟ چھٹی کہانی کا عنوان ہے۔ ''دس تک گنتی دو طرح سے گنی جا سکتی ہے۔'' یہ دراصل جانوروں کی کہانی ہے۔ یوں سمجھیے کہ ''یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ سارے جانور میل جول سے رہتے تھے۔ ان میں بھید بھاؤ نہیں تھا۔ شکلیں ان کی الگ الگ تھیں لیکن آپس میں ان کی دوستی تھی اور سب میل محبت سے اور امن وامان سے رہتے تھے۔''

اس کہانی کے اندر جیسا کہ آپ لوگ بھی جانتے ہیں کہ چیتا بہت چالاک اور شاطر قسم کا جانور ہوتا ہے۔ وہی جنگل کا راجہ تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی جو اسے بہت عزیز اور چہیتی تھی۔

چیتا کو تنہائی بہت کھلتی تھی۔ اسے ایک تو یہ فکر کہ اس کا وارث کون ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس کی لڑکی کی شادی کہاں اور کیوں کر ہوگی۔ اس نے ان مسئلوں پر غور کیا۔ اپنی بچّی سے اس نے صلاح ومشورہ بھی کیا۔ آخرش یہ طے پایا کہ سارے جانوروں کی دعوت کی جائے۔ خاطر تواضع کے بعد جب جانور خوشی منالیں تو کسی ترکیب سے یہ آزمایا جائے کہ سب سے عقل مند جانور کون ہے۔ ایک بار جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ ذہین اور ہوشیار کون ہے تو اسی کو جانشین بنادیا جائے گا اور پھر بچّی کی شادی بھی اسی سے کردی جائے گی۔

عقل ودانش کا امتحان لینے کے لیے چیتے نے بڑی اچھی ترکیب سوچی۔ ایک بلّم اس نے ہوا میں لہرایا اور سارے جانوروں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے اعلان کیا

کہ ''اسی بلم سے میں تمھیں آزماؤں گا جس کسی کو کراؤن پرنس بننا ہے اسے اس بلم کو آسمان کی طرف پھینکنا ہے۔ بلم ہوا میں اچھالنے کے بعد وہ دس تک گنتی گنے گا قبل اس کے کہ بلم زمین پر واپس آجائے۔''

اس کے بعد کیا ہوا۔ کہانی پڑھ کر اندازہ لگایئے اور یہ بھی سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ اس سے آپ اور ہم سب کیا سبق سیکھتے ہیں۔

محمد امین
امینس لاج، 9/ جوگابائی،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 025 110

1۔ بندروں کی ٹولی اور چھوٹی چھوٹی لال ٹوپیاں	1
2۔ پرندوں اور جانوروں کی جنگ	9
3۔ دو مکّار	18
4۔ چھ گھوڑسوار	33
5۔ کچھوا اور جادو کی ڈھولک	44
6۔ دس تک گنتی دو طرح سے گنی جا سکتی ہے	54

بندروں کی ٹولی اور چھوٹی لال ٹوپیاں

کیا آپ نے ترکی ٹوپی دیکھی ہے؟

اگر آپ نے نہیں دیکھی ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں۔ ان دنوں ان کا چلن کم ہو گیا ہے۔ پہلے جب کہانی لکھی گئی تھی اُن دنوں اسے لوگ عام طور سے پہنتے تھے۔

ترکی ٹوپی گول ہوتی ہے اور اوپر اس کے بیچوں بیچ ایک پھندنا سا لگا رہتا ہے جو ٹوپی کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف لٹکتا رہتا ہے۔ شمالی افریقہ اور سوڈان میں اس کا رواج عام تھا اور وہاں کے لوگ عام طور سے اسے پہن کر اپنے سَر کی زینت بڑھاتے تھے۔

اب بھی یہ چھوٹی لال ٹوپیاں سوڈان کے قصبوں میں عام طور سے بکتی ہیں۔ کئی سوداگر اور پھیری لگانے والے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں بیچنے کے لیے انھیں لیے لیے پھرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک سوداگر علی عمر تھا۔

علی عمر نے تھوک میں بہت ساری ترکی ٹوپیاں خریدیں۔ پھر انھیں دو بڑی ٹوکریوں میں بھر کر خچر کی پیٹھ پر اس نے باندھ دیا۔ انھیں بیچنے کے لیے پھر وہ گھر سے نکل پڑا۔

حقیقتاً علی عمر بہت خوش تھا اور خوش ہونے کی بات بھی تھی خاص طور سے اس لیے کہ ٹوپیوں کے دام منہ مانگے ملیں گے اور گاؤں گاؤں گھوم کر وہ انھیں جلدی بیچ لے گا۔

دعا مانگتے ہوئے اس نے کہا۔ ''خدا کرے کہ میری ساری ٹوپیاں بک جائیں۔ پھر تو واقعی میں مالدار ہو جاؤں گا۔'' وہ ایک گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ خچر کے لڑکھنے کا ڈر نہیں تھا۔ علی عمر اطمینان سے چل رہا تھا۔ آخر جلدی کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ــــ ابھی بہت وقت تھا اور شام ہونے سے پہلے پہلے گاؤں گاؤں میں آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے۔

لیکن گرمی کافی تھی اور چلتے چلتے علی عمر اور اس کا خچر دونوں تھک گئے تھے۔ خچر کی رفتار سُست ہونے لگی۔ علی عمر اگر چہ اسی کی پیٹھ پر سوار تھا لیکن بیٹھے بیٹھے اسے بھی نیند آنے لگی۔ اتفاق کی بات یہ کہ راستے میں سایے دار درخت تھے۔

''تھوڑی دیر رُک کر کچھ کھا پی لیا جائے اور تھوڑا سا دم لے لیا جائے'' علی عمر نے خچر سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔ ''بہتر ہے کہ چند منٹ آرام کر لیا جائے۔''

پھر اس نے لال ٹوپیوں سے بھری ٹوکریوں کو کھولا اور انھیں سنبھال کر اُس نے درخت کے نیچے رکھ دیا۔ خچر کی پیٹھ پر انھیں چھوڑنا ٹھیک نہیں تھا۔ آخر وہ جانور تھا۔ کہیں ان کو کسی درخت کے تنے سے رگڑ نہ دیتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لیٹ جائے اور

پھر ساری ٹوپیاں دب کر چُور چُور ہو جائیں گی۔

علی عمر نے خچر کو ذرا کچھ فاصلے پر ایک درخت کی جڑ سے باندھ دیا۔ پھر اُس نے ایک سایہ دار درخت ڈھونڈھا۔ وہاں آرام کرنے کے لیے وہ لیٹ گیا۔ ابھی اُس نے کروٹ بھی نہیں بدلی تھی کہ اُسے غنودگی آ گئی۔

ٹوپیاں بیچنے والا یہ سوداگر کتنی دیر تک سوتا رہا ٹھیک سے نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن بہر حال وہ بالکل غافل ہو کر سو گیا۔ اس دوران وہاں نئے ملاقاتی آ گئے۔ وہ عجیب تھے یعنی بڑے بڑے بندر اور ایک دو نہیں بلکہ ان کی پوری ایک فوج۔ ان کے سر بھی کافی بڑے تھے اور وہ تیز اور پھرتیلے تھے۔ انھوں نے اپنی انگلیوں سے دونوں ٹوکریاں کھول لیں اور ان کے ڈھکن اٹھا کر دیکھے۔

اگر علی عمر گھوڑا بیچ کر نہ سویا ہوتا تو بندر جو چیخ پکار کر رہے تھے اُن کی آواز سے وہ ضرور جاگ جاتا۔ ٹوکریوں کے اندر جب اُنھوں نے لال لال ٹوپیاں دیکھیں تو وہ خوب چڑ چڑانے اور پٹ پٹانے لگے۔

بندروں کی فوج کے سردار نے ایک ٹوپی اُٹھالی۔ اُس نے اُسے لے کر اِدھر اُدھر گھمایا۔ اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو درخت کے نیچے اطمینان سے سو رہا تھا۔ اُسے اتنی جلدی نیند آ گئی تھی کہ سر سے ٹوپی اُتارنا بھی بھول گیا تھا۔ لال ٹوپی مزے سے اس کے سر پر پڑی ہوئی تھی۔

بندر نقال ہوتے ہیں جیسا کہ شاید آپ سبھی لوگ جانتے ہیں۔ وہ دیکھتے دیکھتے آدمیوں کی نقل اتار لیتے ہیں۔ اس لیے علی عمر کو دیکھ کر بندروں کے سردار نے ایک ٹوپی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔

بندروں کی فوج میں ایک ہلچل مچ گئی۔اب ان میں دھکّا پیل ہونے لگی۔اور ہر ایک کوٹوکری کے پاس پہنچنے کی جلدی۔کوشش یہ تھی کہ لال ٹوپی مِل جائے اور پھر وہ اسے سر پر رکھ کر اِدھر اُدھر بھاگتا پھرے۔

اُس ہنگامے کے باوجود علی عمر کی نیند نہیں کھلی۔لیکن اس کا خچرّ ڈرنے لگا تھا۔خچرّ سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے لگا۔اس طرح وہ اتنے زور سے چیخا کہ اس کے مالک کی نیند کھل گئی۔

علی عمر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی قیمتی لال ٹوپیاں اِدھر اُدھر اڑ رہی ہیں اور بندروں کی ٹولی انھیں سروں پر رکھ کر بھاگتی پھر رہی ہے۔

اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔گھبراہٹ میں وہ چیخا ''ارے یہ تو بہت سارے چور آ گئے۔پکڑ وان کو پکڑو'' جلدی سے اُچھل کر وہ اُٹھ بیٹھا۔

لیکن بندر بھی کچھ کم ہوشیار نہیں تھے۔قبل اس کے کہ وہ ایک ٹوپی کو سنبھالے کہ اتنے میں سارے بندر بھاگ بھاگ کر درختوں پر چڑھ گئے۔اور کمال تو یہ کہ لال ٹوپیاں ان کے سروں پر سِٹ تھیں۔

ٹوپی فروخت حیران۔''ہائے! ہائے! اب کیا کروں۔میں تو برباد ہوگیا۔میں لٹ گیا۔ڈاکوؤ، چورو! تم لوگ کہاں بھاگتے ہو۔ٹوپیاں تو میری دیتے جاؤ۔'' غصّے کے مارے اس کا بُرا حال۔چیخنے کے علاوہ اور اس سے کچھ نہ بن پڑے۔اس کی چیخ پکار سُن کر بندر بھی چیختے۔اور وہ اُسے اور چڑھاتے۔ایک بھی ٹوپی انھوں نے نیچے نہیں گرائی۔

اب علی عمر نے لہجہ بدل کر منت سماجت شروع کر دی ''میرے اچھے بندرو!

پیارے بندرو! دیکھو یہ ٹوپیاں بڑی قیمتی ہیں۔ان کو ضائع نہ کرو۔ میں تمھارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں انھیں لوٹا دو۔ مجھے ان کو بیچنا ہے۔'' ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ یہ سب بندر اس کی درخواست اور اس گڑگڑاہٹ کو سمجھ جائیں گے۔

اس کی آواز سُن کر بندر اور چیختے اور چڑ چڑاتے۔ رفتہ رفتہ ان کی چیخ پکار کچھ دھیمی پڑی۔ اکھڑ پن بھی کم ہوا لیکن چھوٹی چھوٹی لال ٹوپیاں وہ اپنے سروں سے جدا کرنے کو تیار نہیں تھے۔

کیا عجیب تماشا تھا۔ سارے بندر درخت کی شاخوں پر دراز اور ٹوپی ہر ایک کے سر پر جڑی ہوئی۔

علی عمر کا بُرا حال

اتفاق کی بات یہ کہ اُدھر سے ایک اور سوداگر گزرا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ علی عمر غصّے سے لال پیلا ہو رہا ہے۔ اس نے جب بندروں کے سر پر لال لال ٹوپیاں دیکھیں تو وہ ضبط نہ کر سکا۔ اور اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔

''دوست! یہ ہنسنے کا مقام نہیں۔'' علی عمر کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور یہ آنسو پریشانی اور غصّے کو ظاہر کر رہے تھے۔

''اگر مجھ کو یہ نئی نئی اپنی ٹوپیاں واپس نہ ملیں تو میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا اور پھر یہ جلدی مجھے واپس ملنی چاہئیں ورنہ تو ساری خراب ہو جائیں گی۔''

علی عمر کی پریشانی دیکھ کر دوسرے سوداگر کو رحم آ گیا۔ کسی کو مصیبت میں دیکھ کر رحم کھانا اور ہمدردی ظاہر کرنا ایک انسانی فطرت ہے۔ اس نے بھی اپنا سامان اُتار کر

اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے جو سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہر طرف بندر ہی بندر۔ پھر اس نے علی عمر سے کہا "دوست! یہ اپنی ٹوپی مجھے دو۔ میرا خیال ہے کہ میں تمھاری کچھ مدد کر سکتا ہوں۔ اور شاید میں جانتا ہوں کہ بندروں سے ٹوپیاں کیسے واپس لی جا سکتی ہے۔"

علی عمر متحیر اور حیران۔ بہر حال وہ ہر ترکیب پر عمل کرنے کو تیار تھا۔

مسافر نے چڑ چڑا کر آواز نکالی تا کہ سارے بندر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ آواز سنتے ہی سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مسافر اُچھلنے کودنے لگا۔ پھر اس نے تالی بجائی۔ بندروں نے اس کی نقل اتارنی شروع کر دی۔ انھوں نے بھی اپنے ہاتھ بجانے شروع کر دیے اور وہ درخت کی شاخوں پر پھدکنے لگے۔

اس کے بعد مسافر نے علی عمر سے ٹوپی لے کر سر پر رکھ لیا۔ اب اس نے اپنا سر ہلایا۔ بندر اُسے دیکھ کر چڑ چڑانے لگے بلکہ مسافر کی ہر حرکت سے وہ پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔ دیکھا دیکھی وہ بھی اِدھر سے اُدھر اپنا سر ہلاتے تھے۔

آدمی نے چیخ کر آواز نکالی اور بندروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ گویا کہ وہ ان سے کہہ رہا تھا "مجھے دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

اب اس نے ٹوپی سر سے اتار لی۔ ہاتھ میں لے کر اُسے اُس نے ہوا میں لہرایا پھر اُس نے اُسے نیچے زمین پر پھینک دیا۔ بندروں نے سوچا واہ! یہ تو بڑا عمدہ کھیل ہے۔ ہر ایک اس کھیل میں شامل ہو گیا اور پھر ہر ایک نے ٹوپی سر سے اتار لی۔ اسے ہوا میں لہرایا اور پھر اسے درخت کی شاخوں سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔

قبل اُس کے کہ علی عمر خوشی کے مارے چیختا اس کی ساری ٹوپیاں اس کے قدموں

علی عمر اور بندروں کی ٹولی۔ دونوں ٹوکریاں خالی پڑی ہیں۔

میں آ گئیں۔ ہوشیار مسافر نے کہا ''دوست! جلدی کرو۔ ٹوپیاں چن لو۔ بلکہ لو میں بھی تمھاری مدد کرتا ہوں۔ ان کو برش سے صاف بھی کر دوں گا۔ اب ہم دونوں اٹھا کر جلدی جلدی انھیں ٹوکریوں میں بھر دیں قبل اس کے کہ بندروں کو پتہ چلے۔''

اس طرح علی عمر کی بُری قسمت کو اس مسافر نے اپنی تیز عقل سے بھگا دیا۔ انعام میں ٹوپی فروش نے ایک نئی ٹوپی اس کے سر پر رکھ دی۔

اس نے پھر خدا کا شکر ادا کیا اور یہ سوچا کہ قسمت اچھی تھی اور یہ اجنبی اِدھر بھولے سے آ گیا اور اس طرح وہ ایک انوکھی مصیبت سے نجات پا گیا۔

☆......☆......☆

پرندوں اور جانوروں کی جنگ

پرندے اور جانور انسانوں سے پہلے زمین پر ملتے تھے بلکہ ان کی بہتات تھی۔ اس زمانے میں کبھی کبھی دونوں یعنی پرندے اور جانور ایک دوسرے کے ساتھ امن و امان سے رہتے تھے۔ گویا کہ انھیں احساس تھا کہ دونوں بھائی بھائی ہیں۔ لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ان کی تکرار ہو جاتی اور بحث کرتے کرتے معاملہ بہت آگے بڑھ جاتا۔

سوڈان کے گھاس کے میدان میں کچھ اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ یوں سمجھیے کہ ایک شُتر مُرغ اور ایک ہاتھی کی آپس میں بحث و تکرار شروع ہوئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جھگڑا کس بات سے شروع ہوا؟ اس کا تو ٹھیک سے پتہ نہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شُتر مرغ ہاتھی سے اس لیے چڑھ گیا تھا کیونکہ ہاتھی کو اپنی شخصیت کا احساس نہیں ہے۔ وہ من مانی میدان میں جہاں اسے نہیں جانا چاہیے وہاں بھی پہنچ کر وہ گھاس کو روند ڈالتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے بھدے اور بھاری

بھرکم پیر گھونسلا بھی کچل کر تہس نہس کر ڈالتے ہیں جو کہ شُتر مُرغ محنت و مشقت سے بناتا ہے اور ان میں انڈے بھی دینا چاہتا ہے۔

ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ہاتھی نے اسے تنگ کیا تھا۔ دراصل ہاتھی شُتر مُرغ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ شُتر مُرغ نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن ہاتھی کو اپنی بھاری بھرکم شخصیت اور طاقت کا اس قدر احساس تھا کہ سننے کو وہ شُتر مُرغ کی شکایت سُن لیتا لیکن کرتا وہی جو اُس کے من میں ہوتا۔ آخرش شُتر مُرغ مجبور ہو گیا اور دوسری چڑیوں کے پاس اپنی فریاد لے کر گیا۔ اُس نے رُو رُو کر اپنی کہانی سنائی اور اُس طرح پرندوں کو ہاتھی کے ظلم و تشدّد کا اندازہ ہوا اور شُتر مُرغ سے ہمدردی کا جذبہ اُمڈ آیا۔ سب نے مل کر مشورہ کیا اور طے پایا کہ ہاتھی کے خلاف جنگ کرنی ضروری ہے۔

شُتر مُرغ اپنی ٹولی کا سردار تھا۔ اُس نے اپنا سر ہوا میں اونچا اٹھایا۔ اُس نے دُور تک مشاہدہ کیا۔ ہموار میدان میں میلوں دُور۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ کدھر جا سکتا ہے اور کہاں سے گھات میں بیٹھ کر حملہ کر سکتا ہے۔ اپنی لمبی اور مضبوط ٹانگوں پر چل کر وہ دُشمن کے مقابلے پر آ ڈٹا۔

اُس نے چیخ کر کہا ''اے ہاتھی! تم نے ہمارے ایک نہیں بلکہ کئی گھونسلے برباد کیے ہیں۔ لہٰذا ہم تمھارے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہیں۔ تمھیں جان کر افسوس ہوگا کہ میری فوج میں سبھی پرندے شامل ہیں اور وہ سب تمھارے خلاف لڑیں گے۔ تم چاہو تو اپنی مدد کے لیے دوسرے جانوروں کو بلا سکتے ہو۔

چنانچہ ہاتھی نے سب جانوروں کو اکٹھا کیا اور ان سے یوں مخاطب ہوا۔ ''دوستو! بڑے خطرے کا مرحلہ ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ سارے پرندوں نے مل کر ہمارے خلاف

اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔"

یہ سُن کر جانوروں کو ہنسی آ گئی اور واقعی یہ ہنسنے کی بات بھی تھی۔ سوچیے تو بھلا! ننھی ننھی چڑیاں ہاتھی جیسے جانوروں کے خلاف جنگ کرنا چاہتی ہیں۔ کس قدر حماقت کی بات تھی۔ لیکن چڑیاں سنجیدہ تھیں۔ اُن کے حوصلے بلند تھے۔ وہ کہتیں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ہم میں پورا اتحاد اور اتفاق ہے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی جانوروں کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہماری طاقت کا کیا راز ہے۔ میدان میں اترنے کی دیر ہے اور بس دیکھتے جایئے کہ فیصلہ کس کے حق میں ہو گا اور کون جنگ جیتے گا۔

کیا عجیب سماں تھا۔ میدان میں ایک طرف چار پیروں والے سارے جانور قطار باندھے کھڑے تھے۔ جیسے بندر، چیتے، شیر اور ہاتھی وغیرہ۔ غرض بڑے اور چھوٹے سبھی جانور شانہ بہ شانہ کھڑے تھے۔

دوسری طرف میدان میں پنکھ پکھیرو تھے۔ آپ شاید یہ سمجھیں کہ پرندوں میں دہشت تھی اِس لیے کہ بھلا چڑیوں اور جانوروں کا مقابلہ کیا۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ لیکن یاد رکھیے کہ بہادری اور شجاعت کو لمبے قد سے نہیں ناپا کرتے۔

ہاتھی نے اعلان کیا کہ "اِس جنگ میں میرے خاص صلاح کار شیر اور چیتا رہیں گے بلکہ یہی دونوں میری فوج کے جنرل ہوں گے۔ اور ہم تینوں مل کر جانوروں کی فوج کی رہنمائی کریں گے"

کمانڈر اِن چیف کا اعلان ہوتے ہی ان تین بڑے جانوروں نے سب سے آگے آ کر اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے۔

اُدھر جب پرندے قطار میں کھڑے ہو گئے تو شتر مُرغ نے اعلان کیا کہ "سب

سے پیش پیش لڑنے کے لیے میرے ساتھ چیل، باز اور سارس رہیں گے۔''

پھر شُتر مُرغ نے اپنے دوستوں کو یاد دلایا کہ ''اگر چہ میں ایک ایسا پرندہ ہوں جو اُڑ نہیں سکتا لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ میں نے جنگ کا جو نقشہ باندھا ہے وہ اِس قدر شاطرانہ ہے کہ آخیر میں ہماری فتح یقینی ہے۔ ہتھیار کے طور پر ہم سب سے پہلے یہ انڈے استعمال کریں گے جو میری مادہ نے دیئے ہیں۔''

اُس نے کریم رنگ کے تین گول گھونسلے میں پڑے گیند کی طرف اشارہ کیا۔ چھلکے سمیت شُتر مُرغ کے ہر انڈے کا وزن کئی پونڈ سے کم نہیں ہوتا۔

''پہلے چیل اپنے پنجوں میں دبا کر ایک انڈا لے کر اڑے گی۔ وہ سیدھی جانوروں کی فوج کی طرف حملہ کرے گی۔ اُس کے بعد تیزی سے ایک سیکنڈ میں اُتر کر وہ ہاتھی کے سر پر پہنچ جائے گی اور پھر وہ انڈے کو اُس کے سر پر دے مارے گی۔ چشمِ زدن میں وہ تیزی سے اُڑ کر بھاگ آئے گی۔''

یہ سُن کر چڑیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کو سمجھ میں نہیں آیا کہ شُتر مُرغ کے انڈے سے بھلا یہ جنگ کیسے جیتی جا سکتی ہے لیکن اس چال پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

پھر شُتر مُرغ نے اپنا نقشہ اس طرح بتایا! ''باز پھر چیل کے نقش قدم پر عمل کرے گا۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ وہ انڈا شیر کے سر پر توڑے گا۔ آخیر میں سارس کی باری آئے گی۔ وہ سیدھا چیتے کی طرف حملہ آور ہوگا اور ٹھیک اس کے سر پر پہنچ کر انڈا وہیں توڑ دے گا۔''

چڑیوں کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آیا لیکن جنگ میں نبرد آزما ہونے کا وقت

قریب تھا اس لیے وہ اعتراض نہیں کریں گی بلکہ جو حکم نافذ ہوگا اسے وہ بہ سروچشم بجا لائیں گی۔

''چیل آ رہی ہے'' لکڑ بگھا جو ایک اونچے ٹیلے کی چٹان پر کھڑا تھا اس نے جانوروں کی فوج کو آگاہ کیا۔ بظاہر جانوروں کو کوئی فکر نہیں تھی۔ آسمان کی طرف اُڑتے ہوئے بھلا ایک چڑیاں کیا نقصان پہنچا سکتی ہے؟''

لیکن قبل اُس کے کہ وہ اپنے ہوش وحواس سنبھالیں چیل اُڑ کر سیدھی ہاتھی پر جھپٹی۔ منٹوں میں وہ اُس کے سر پر منڈلانے لگی اور ہاتھی حیران و پریشان کہ کیا کرے۔

کڑک کڑک۔ اسپلیش۔ ہاتھی کے دماغ پر شُتر مُرغ کا انڈا ٹوٹ چکا تھا۔ ٹوٹنے کے بعد جو مادہ اُس سے نکلا وہ بہہ کر ہاتھی کی چھوٹی آنکھوں میں گھس گیا۔ ہاتھی چیخ پڑا۔ ''ہائے! ہائے! میرا سر پھٹ جائے گا۔ خون بُری طرح بہہ رہا ہے اور اب ایسا لگتا ہے کہ زندگی خطرے میں ہے۔''

سونڈ اُٹھا کر اس نے اپنے سر کو ٹٹولا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہاں انڈے کے چھلکے پڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھی اپنی آنکھوں سے تو کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا انڈے کے چھلکوں کو اس نے یہ سمجھا کہ اس کے ماتھے کی ہڈی چُور چُور ہوگئی ہے۔ انڈے کی زردی اور سفیدی جو تھی اُسے اُس نے خون سمجھا۔ علاوہ اُن سب کے وزنی انڈے کے ٹکرانے سے اس کا سر جھن جھنا اٹھا تھا۔

''ہائے! ہائے! ہاتھی کا سر سچ مُچ ٹوٹ گیا ہے۔ اب کیا ہوگا۔ لگتا ہے کہ ہمارے کمانڈر اِن چیف کی خیریت نہیں ہے۔'' لکڑ بگھے نے یہ سنسنی خیز خبر جنگ کے اِس

کونے سے اُس کونے تک پہنچادی۔

لکڑ بگھے نے دوبارہ چیختے ہوئے کہا ''ہوشیار ہو جاؤ۔ دیکھو اب باز آرہا ہے۔ وہ سیدھا جنرل شیر کی طرف جارہا ہے۔'' آپ کو یاد ہوگا کہ شُتر مُرغ کی جنگ کے نقشے کا یہ دوسرا حصّہ تھا۔

شیر گرجنے لگا لیکن باز پر کوئی اثر نہیں۔ وہ بھلا ایسی گیدڑ بھبکیوں میں کیا آتا۔ وہ اپنے نشانے کے مطابق اس کے سر پر پہنچ گیا۔

کڑک کڑک اسپلیش۔ اور باز نے دوسرا انڈا شیر کی ناک پر دے مارا۔

لکڑ بگھے نے چیختے ہوئے کہا ''شیر کا سر بھی ٹوٹ گیا۔ اب خیر نہیں۔ خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہمارا دوسرا جنرل موت کے گھاٹ نہ اتر جائے۔''

شیر کا پنجہ فوراً حرکت میں آگیا اور اپنی آنکھوں سے انڈے کا وہ کھُجا نکالنے لگا لیکن وہ بھی اندھا ہو چکا تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ اس کے مغز میں سے خون کی دھار پھوٹ پڑی ہے۔

شیر نے گرجتے ہوئے کہا ''واقعی! سر تو ٹوٹ گیا ہے۔ درد بھی بہت ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے بھی چل چلاؤ کا وقت آہی گیا ہے۔''

جانور ابھی سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ اتنے میں سارس نظر پڑا۔ اور وہ بھی تیر کی طرح سیدھے چیتے کے سر پر پہنچ گیا۔

اس نے ذرا بلندی سے انڈا نیچے گرایا اور وہ دونوں کانوں کے بیچ میں کہیں گرا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس طرح یکے بعد دیگر جانوروں کی فوج کے تینوں جنرل زخمی ہو چکے تھے۔

باقی جانور جورہ گئے تھے وہ حیران کہ اب کیا کیا جائے۔ اور ابھی تو ابتدا تھی آگے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شُتر مُرغ نے مدد کے لیے شہد کی مکھیوں کو بلا رکھا تھا۔ شہد کی مکھیاں چڑیاں نہیں ہیں لیکن بہر حال ان کے بھی پر نکلے ہوتے ہیں اور پنکھ پکھیروؤں کے ساتھ لڑنے میں ان کو مزہ آتا ہے۔

دیکھتے دیکھتے شہد کی مکھیاں ہزاروں کی تعداد میں جانوروں کے سروں پر منڈلانے لگیں۔ شیر اور چیتے نے محسوس کیا کہ ان کی نرم ناکوں پر ڈنک چبھ رہے ہیں۔ ہاتھی کے کھلے مُنھ پر انھوں نے نرم جگہیں ڈھونڈھ لیں اور اپنے تیز ڈنک چبھوتی رہیں۔ جانوروں کی فوج میں سے کوئی بھی ان کے حملے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔

بڑے فوجی افسران — ہاتھی، شیر اور چیتا — ڈنک سے بچنے کے لیے جان بچا کر بھاگے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے جانور بھی بھاگے۔ ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ سب کے قدم اُکھڑ گئے۔ منٹوں میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔

''فتح یا جیت ہماری رہی!'' شُتر مُرغ نے خوشی میں اپنے چھوٹے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے کہا۔

''اب جنگ ختم ہو گئی۔''

لیکن میدانِ جنگ سے ایک جانور ابھی نہیں بھاگا تھا۔ وہ تھا لکڑ بگھا اور واقعی یہ بڑا فطین قسم کا جانور تھا۔ وہ شُتر مُرغ کے پیچھے چھپ کر بیٹھا تھا اور اس نے دُم کی طرف سے لمبے پتلے بالوں میں سے اس کے سُرخ سُرخ گوشت کے لوتھڑے دیکھ لیے تھے۔ اس نے سوچا۔ کاش کہ ایک بار مجھے کاٹنے کا موقع مل جائے۔ وہ تیزی کے ساتھ اُچھلا کہ دانت گاڑ دے کہ اتنے میں شُتر مُرغ گھوم گیا۔

اب لکڑ بگھے کی خیریت نہیں تھی۔ شُتر مُرغ بھنایا ہوا تھا اور بدلہ لینے کے لیے اس نے پھر اپنے وزنی پنجوں سے اس پر بوچھار کر دی۔

یاد رکھیے کہ شُتر مُرغ کی ٹانگیں اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ ان سے وہ چیتے یا شیر کو چت کر سکتا ہے۔ لکڑ بگھا سر پر پیر رکھ کر بھاگا لیکن اُسے تابڑ توڑ کئی پنجے لگے اور ہوا میں جس طرح پتی اڑتی ہے اسی طرح وہ بھی میدان میں لڑھکتا پھرا۔

ہر ہر منٹ پر شُتر مُرغ تاک تاک کر لکڑ بگھے کے سر پر پیر سے مارتا۔ وہ تو خیریت یہ تھی کہ اس کی آنکھ کا نشانہ چوک گیا ورنہ وہ ان کو پھوڑ دیتا۔

لکڑ بگھا اپنی جان بچا کر بھاگا۔ بڑی مشکل سے چٹانوں کے درمیان ایک دراڑ میں وہ گھس گیا۔ شُتر مُرغ کے لیے اب اس پر وار کرنا مشکل تھا۔ لکڑ بگھا سمجھتا تھا کہ کچھ دیر کے بعد یہ خطرناک اور غصہ ور چڑیا بھاگ جائے گی۔

کچھ دیر کے بعد اپنے ماند کے باہر اُسے سناٹا محسوس ہوا اور لکڑ بگھا سوراخ کے پاس آیا۔ اُس نے سنبھل کر چٹان کی دراڑوں میں سے اپنا سر ذرا سا باہر نکالا۔ لیکن اسی لمحے وہ پیچھے ہٹ گیا۔ ابھی وہاں شُتر مُرغ ڈٹا ہوا تھا۔ وہ آسانی کے ساتھ وہاں سے ٹلنے والا نہیں تھا۔ ماند کے آس پاس وہ چہل قدمی کرتا رہا اور مسلسل وہ تاک میں بیٹھا تھا کہ لکڑ بگھا کسی طرح ہاتھ آ جائے۔

کچھ دیر کے بعد لکڑ بگھے نے پھر گردن باہر نکالنے کی کوشش کی۔ اب کی بار چڑیے کے چونچ کے حملے سے وہ بال بال بچا۔

اس نے بار ہا کوشش کی اور ہر بار اس پر یہی گزری۔

لکڑ بگھا شاید کبھی بھی باہر نہیں نکل پاتا اگر شُتر مُرغ اس آنکھ مچولی سے تنگ نہ

آ گیا ہوتا۔ لیکن اس بھاری چڑیا کی چالاکی دیکھیے۔ وہاں سے ہٹنے سے پہلے اس نے اپنی دم میں سے کئی لمبے پر نکالے۔ اس نے ان کو بغل میں زمین کے اندر پیوست کر دیا تا کہ سوراخ کے مُنھ پر وہ لہراتے رہیں۔

لکڑ بگھے نے دو تین بار باہر جھانکنے کی کوشش کی لیکن ہر بار وہ پیچھے کھسک گیا۔ باہر نکلنے کی اس کی ہمت نہیں پڑی۔ اسے ڈر تھا کہ دشمن گھات میں بیٹھا ہے۔ آخرش انتظار انتظار میں وہ بھی تنگ آ گیا اور پھر اُسے اتنی پیاس اور بھوک لگی کہ وہ ضبط نہ کر سکا۔ جان کی بازی لگا کر وہ ماند سے باہر نکل ہی آیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ شُترمُرغ نے اُسے کیسے جُل دیا ہے۔

آپ سوچ کر بتائیے کہ کیا یہ کہانی سچ ہے؟

کون کہہ سکتا ہے؟

بہر حال ایک بات جو صحیح ہے وہ یہ کہ لکڑ بگھا آج بھی زمین میں سوراخ کے اندر گھر بنا کر رہتا ہے یا چٹانوں کی دراڑوں میں وہ اپنا ماند بناتا ہے۔ اور دن میں باہر نکلنے کی اس کی ہمت نہیں۔ ماند کے اندر وہ چھپا بیٹھا رہتا ہے۔ کھانے پینے کی تلاش میں وہ اس وقت تک باہر نہیں نکلتا جب تک کہ اندھیرا نہ ہو جائے۔

☆......☆......☆

دو مکّار

بدمعاش، غنڈے اور مکّار ہر دَور میں ملتے رہے ہیں یعنی ایسے لوگ جو بری حرکتیں کرتے رہے ہیں۔

لیکن کوتو اور ماہا جیسے مکّار شاید ہی کبھی ملے ہوں جن کو بھی لوگ سوڈان کے طول وعرض میں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اُن مکّاروں کے بارے میں کئی کہانیاں مشہور تھیں۔ ان میں سے نمونے کے طور پر ایک یا دو یہ ہیں جن کو سُن کر آپ سمجھ جائیں گے کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے۔

ایک دن اتفاق سے کوتو اور ماہا کا آمنا سامنا ہو گیا جب کہ دونوں بازار جارہے تھے۔ کوتو کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی۔ ماہا کے پاس ایک بڑا سا بنڈل تھا جسے وہ اپنی پیٹھ پر لاد کر لے جارہا تھا۔

ماہا نے پوچھا ''کوتو! تمھاری ٹوکری میں کیا ہے؟'' کوتو نے جواب دیا ''اِس میں ایک موٹا سا تازہ مُرغ ہے۔ اور ماہا تمھارے اس بنڈل میں کیا ہے؟''

''اس میں ایک پھاوڑا ہے اور یہ بالکل نیا ہے۔''

''اگر میں اپنے مُرغ کے بدلے تمھارا پھاوڑا خریدنا چاہوں تو کیسا رہے گا'' کوتو نے یہ پیش کش کی حالانکہ دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کی چیز دیکھی نہیں تھی۔

بہر حال تبادلہ ہو گیا اور ہر ایک مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔

لیکن فکر دونوں کو رہی۔ جب ٹوکری کھولی گئی تو اس کے اندر مُرغ کی جگہ ایک کوا نکلا اور وہ بھی اسی وقت پھُر سے اُڑ گیا۔

بنڈل میں سے عمدہ پھاوڑے کے بجائے ایک ڈنڈا نکلا۔ اور وہ بھی پرانا تھا۔

دیکھا آپ نے! دونوں نے ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اس طرح دونوں ہی مکّار تھے اور جب بھی وہ ایک دوسرے کو دیکھتے مُسکرا دیتے اور اپنے اپنے شانے ہلا کر خاموش ہو جاتے۔

ایک دن پھر سڑک کے کنارے دونوں مِل گئے۔ ماہا شمال کی طرف جا رہا تھا اور کوتو جنوب کی طرف سفر کر رہا تھا۔

''جنوب میں کیا کوئی چیز نئی ہے؟'' کوتو نے پوچھا۔ ماہا نے جواب دیا ''اُدھر کی دنیا ہی نرالی ہے۔ تمھیں ہر چیز الٹی ملے گی۔ مثلاً زمین اوپر اور آسمان نیچے۔ میں پہاڑ پر چلتا تھا لیکن وہ پہاڑ میرے پیروں کے نیچے پگھل گیا—اس طرح میں میدان میں آ گیا۔ منٹوں میں میرے پیر تلے کی زمین ہل گئی پھر مجھ کو جنگل ملا—اور سارے درخت اُکھڑ اُکھڑ کر میرے چاروں طرف آ گئے اور میں ان کے گھیرے میں آ گیا۔ آخرش میں تنگ ہو کر وہاں سے بھاگا اور اسی لیے اب میں جنوب سے شمال کی طرف

جا رہا ہوں۔"

"لیکن اِدھر کی دنیا بھی نرالی ہے" کوتو اپنی کہانی کو اور مبالغہ آمیز بنانے کی فکر میں تھا۔ "شمال میں بھی ہر چیز الٹی پلٹی ہے۔ مثلاً چڑیاں سمندر میں رہتی ہیں۔ مُرغ بھونکتے ہیں اور کتے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ ہاں! ہاں! مجھے یاد آیا کہ شمال میں بھی ہر چیز الٹی ہے۔"

کوتو نے کہا "یہ حقیقت ہے۔ پھر اس سے تنگ آکر وہاں کے رہنے والوں نے ایک جلسہ بلایا اور باری باری ہر ایک کو بادشاہ کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ پھر بادشاہ نے اُن سے کہا کہ اگر تم میں سے کسی نے کوئی جھوٹ بات کہی تو میں تمھارا سر قلم کرا دوں گا۔ اس طرح شمال کی دنیا بھی خطرناک ہے اور میرے دوست ماہا کم سے کم تمھارے لیے ہرگز موزوں نہیں۔"

"لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ تم جیسے آدمی وہاں سے بچ کر کیسے آ گئے۔"

یہ سُن کر دونوں چار سو بیس ہنسے اور خوب ہنسے۔ اُن کو احساس تھا کہ ساری دنیا میں اُن سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹا اور مکّار نہیں۔

ایک دوسرے کو اچھی طرح آزمانے کے بعد دونوں سمجھ گئے کہ ہم میں سے بڑا کوئی مکّار نہیں اور اگر دونوں مل کر مکّاری کریں تو ہمارے کارنامے بے مثال ہوں گے۔ پھر کیوں نہ ہم دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔

اُس طرح دونوں مکّار ساتھ ساتھ رہنے لگے اور اُنھوں نے طے کر لیا کہ اپنی کرتُوت سے اور بُری حرکتوں سے سارے سوڈان کو تنگ کر دیں گے۔

ان کے نشانے امیروں پر زیادہ بیٹھتے۔ مثال کے طور پر ایک امیر آدمی بڑی سی

کوٹھی میں رہتا تھا۔ سبھی جانتے تھے کہ اس کو پیسے کی کوئی کمی نہیں۔ اُن دونوں بدمعاشوں نے طے کیا کہ چلو اُس آدمی کو ٹھگا جائے۔

چلتے چلتے وہ اس آدمی کے گھر پہنچے۔ ان کے پاس ایک ٹوکری تھی۔ اُس ٹوکری میں ایک جنگلی بلی بند تھی اور مُرغ کے پروں کا ڈھیر بھی جمع تھا۔

''ہم آپ کے پڑوس سے گزر رہے تھے کہ معاً ہمیں خیال آیا کہ آپ کو سلام کرتے چلیں'' اس طرح اس امیر آدمی کے پاس آنے کا بہانہ دونوں نے ڈھونڈھا۔

''دوستو! میری طرف سے تمھیں بھی سلام مبارک ہو'' شرافت سے اس امیر آدمی نے جواب دیا۔ پھر ٹوکری کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا ''اس میں کیا چیز بند ہے؟''

''اس میں ایک لڑاکو مُرغ بند ہے جسے ہم بادشاہ کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔ دراصل بادشاہ نے اس کی قیمت ہمیں پیشگی بھجوادی ہے اور انھوں نے حکم دیا تھا کہ اسے لے جا کر ہم محل میں پہنچا دیں۔ ہمیں جلدی تھی اور تیزی سے آرہے تھے کہ اس دوران ہمیں محسوس ہوا کہ شام ہونے والی ہے۔ ابھی راستہ کچھ لمبا ہے اور اندیشہ ہے کہ کل بھی ہم پہنچ سکیں گے یا نہیں؟'' کوتو نے یہ الفاظ کہہ کر کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔

امیر آدمی شروع میں خاموش رہا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ شاید یہ لوگ بادشاہ کے قاصد ہیں۔ ''ہمارے ملک کا یہ تو دستور ہے کہ ہم مسافروں کو پناہ ضرور دیتے ہیں۔ آخیر رات کو ٹھہرنے ہی کی تو بات ہے۔ تم لوگ آرام سے ہمارے یہاں ٹھہرو۔ بستر اور کھانا دونوں کا انتظام ہو جائے گا بلکہ تم لوگ مزے سے آرام کرو اور اطمینان سے کل

صبح یہاں سے روانہ ہوتا۔"

دونوں مہمانوں نے اعتراض کیا۔"ہمیں یقین کیسے آئے گا کہ بادشاہ کا مُرغ یہاں محفوظ رہے گا؟۔ یہاں کبھی جنگلی جانور تو نہیں آتے؟ جیسے کتے؟ یا بلی؟ جو کہ قیمتی مُرغ کو کھا جائیں؟ دروازہ مضبوطی سے اور ٹھیک سے بند ہونا چاہیے تا کہ کوئی جانور نہ آ سکے اور مُرغ کو مار نہ بیٹھے؟"

بادشاہ کے مُرغ کو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔اس گھر کے اندر کوئی پالتو جانور بھی نہیں ہے۔دروازہ بند ہو جانے کے بعد کسی جنگلی جانور کے اندر آنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔" بعض وجوہات کی بنا پر امیر میزبان کو یہ بات اہم معلوم ہوتی تھی کہ یہ دونوں آدمی اس کے ساتھ قیام کریں۔

دونوں چار سو بیس آدمیوں نے کھانا کھا لیا اور آرام کرنے کے لیے وہ لیٹ گئے۔جلد ہی وہ خراٹے لینے لگے گویا کہ انھیں بہت تکان ہے اور وہ گہری نیند سے سو رہے ہیں۔آدھی رات میں دونوں اُٹھ گئے۔چپکے سے ٹوکری کا ڈھکن کھول دیا۔جنگلی بلی جو اس کے اندر بند تھی وہ باہر نکل آئی۔

بلی نے گھر میں ایک تہلکہ مچا دیا۔آزاد ہو کر وہ دوڑنے لگی۔دیواروں پر چڑھ گئی۔دروازے کے اوپر پہنچ گئی۔وہ باہر نکلنے کے لیے بے چین و بدحواس تھی۔

"آقا او آقا" کوتو اور ماہا نے اپنے میزبان کو جگانے کی کوشش کی۔اور یہ کہا" کہ ایک جنگلی بلی گھس آئی ہے۔اس نے بادشاہ کے مُرغ کا صفایا کر دیا ہے۔روشنی کیجیے اور آپ خود دیکھ لیجیے۔"

جب روشنی کی گئی تو امیر آدمی نے جو سماں دیکھا اسے یقین نہیں آیا۔اس نے سمجھا

کہ اس کی نظریں دھوکا دے رہی ہیں۔ جنگلی بلّی وہاں واقعی تھی اور وہ دوڑتی پھر رہی تھی۔ فرش پر مُرغ کے پر بکھرے پڑے تھے جنھیں کہ دونوں مکّاروں نے اپنی ٹوکری سے نکال کر بکھیر دیے تھے۔

''اب تو خدا خیر کرے! تمھاری جنگلی بلّی نے بادشاہ کا مُرغ کھا ڈالا'' ایک مکّار نے سراسر جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔'' آقا! قصور ہمارا نہیں تمھارا ہے۔ تم نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ کوئی خطرہ نہیں۔ اب ہم کیا کریں۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہم تم کو لے چل کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیں۔''

اس آدمی کو اب بڑی فکر ہوئی۔ اس کے لیے یہ کہنا بھی بے کار تھا کہ اس کے گھر میں کبھی کوئی جنگلی بلّی نہیں آتی تھی۔ دروازہ بھی چاروں طرف سے بند تھا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جنگلی بلّی آخر گھسی کہاں سے۔ فرش پر جو مُرغ کے پر بکھرے پڑے تھے۔ یہ بات بھی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

''ہماری ٹوکری کھول کر دیکھ لو پھر تمھیں خود بہ خود یقین ہو جائے گا کہ بادشاہ کا مُرغ غائب ہے۔'' دونوں مکّار اسے اذیت پہنچانے پر تلے ہوئے تھے۔''اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہم تم کو لے چل کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیں۔ ظاہر ہے کہ تمھاری لاپروائی کی وجہ سے بادشاہ تم کو سخت قسم کی سزا دے گا۔''

اب تو اس آدمی کا بُرا حال۔ وہ پچھتایا کہ خواہ مخواہ اس نے ان کو اپنے گھر میں پناہ دی۔

''اچھا بھائی ہرجانے کے طور پر کچھ روپے لے لو اور میری جان چھوڑ دو'' اس نے منت سماجت کی۔

''کتنے روپے ہمیں دو گے؟'' ''دس چاندی کے سکے۔'' یہ سُن کر دونوں مکّار خوب ہنسے۔

''بیس!'' انھوں نے سر ہلا کر کہا ''نہیں!''

''اچھا لو۔ پچاس لے لو۔'' انھوں نے چیخ کر کہا ''یہ بہت تھوڑی رقم ہے۔''

بہر حال سو روپے پر بات طے ہوئی اور جیسے ہی ان کو یہ روپے ملے دونوں ٹھگ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور دل ہی دل میں خوش تھے کہ انھوں نے آج بڑا تیر مارا ہے۔

واقعی اس میں چالا کی تھی اور انھوں نے بڑی زبردست مکّاری کی تھی۔

دونوں مکّار خاموش نہیں بیٹھنے والے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انھوں نے طے کیا کہ گاؤں کی طرف چل کر دیکھا جائے۔ انھیں پتہ تھا کہ رمبا نام کا ایک آدمی اس گاؤں کے اندر رہتا ہے۔ گاؤں سے ذرا ہٹ کر رمبا کے دھان کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔

ایک دن رمبا اور اس کے چند ساتھی دھان کے پودوں کے درمیان کچھ کھدائی کر رہے تھے کہ اتنے میں کوتو اور ماہا آتے ہوئے دکھائی پڑے۔

''اے کسان! ہم غریب ہیں۔ ہمیں بھی کوئی کام کرنے کو دو۔ کھدائی ہم بھی کر سکتے ہیں اور کام کرنے کے بعد تھوڑی بہت ہم کو اجرت بھی دے دینا'' انھوں نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''کام تو بہت ہے اگر تم کرنا چاہو'' رمبا نے جواب دیا۔ اچھا ایسا کرو۔ سامنے جو گاؤں دیکھ رہے ہو وہاں چلے جاؤ۔ وہیں کنارے پچھّم کی طرف ہمارا گھر ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ میری بیوی تم لوگوں کو دو پھاوڑے دے دے گی۔ اسے لے کر تم لوگ یہاں

میرے پاس آ جاؤ پھر میں تم کو کام بتا دوں گا۔"

جھٹ پٹ دونوں رمبا کے گھر پہنچ گئے لیکن بجائے اس کے کہ وہ پھاوڑے مانگیں انھوں نے کہا۔"خاتون! تمھارے میاں نے ہمیں بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ تم ہم کو سو چاندی کے سکے دے دو۔"

یہ سُن کر عورت چیخ پڑی"تم لوگ آخیر ہوتے کون ہو کہ میرا شوہر تم کو سو چاندی کے سکے دے گا۔ تم لوگ مکّار معلوم ہوتے ہو۔"

انھوں نے ضد کی"ہمیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت۔ اگر تم کو ہم پر اعتبار نہیں تو آؤ ہمارے ساتھ دھان کے کھیت تک۔ تمھارا شوہر پھر تم کو خود بتا دے گا کہ تم دے دو۔"

تینوں کھیت کے کنارے پہنچے اور دور ہی سے کوتو نے کسان کو آواز دیتے ہوئے کہا:"دیکھتے ہو جی! یہ ہمیں نہیں دے رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں تم کو وہ نہیں دوں گی۔"

رمبا نے سوچا"وہ" کا مطلب ہے پھاوڑے۔ ادھر اس کی بیوی نے سوچا کہ "وہ" کا مطلب ہے سو چاندی کے سکے۔

"بیگم! وہ ان آدمیوں کو دے دو" کسان نے زور سے آواز لگائی۔

سر ہلاتے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے اس کی بیوی گھر آئی۔ گھر پہنچ کر اس نے گن کر چاندی کے سو سکے کھرے کھرے نکال کر دے دیے۔ دونوں آدمی بہت خوش اور انھوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فوراً نو دو گیارہ ہو گئے۔

"آخیر تمھیں ہو کیا گیا تھا کہ تم نے سارے روپے ان اجنبی آدمیوں کو دے

دیے؟'' عورت نے اپنے شوہر سے پوچھا جب کہ وہ دوپہر کو کھانا کھانے کے لیے آیا۔

''روپے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا'' کس نے تم کو روپے دینے کو کہا تھا؟ میں نے تو یہ کہا تھا کہ دو پھاوڑے دے دو۔ وہ دونوں میرے ساتھ دھان کے کھیت پر کام کرنا چاہتے تھے۔''

رمبا کو جب احساس ہوا کہ یہ تو سراسر دھوکا ہے۔ پھر اُسے بہت غصہ آیا۔ ظاہر ہے غصہ آنا بھی چاہیے تھا۔ اس نے کچھ دوستوں کو جمع کیا اور دونوں مکّاروں کو ڈھونڈھنے کے لیے نکل پڑا۔ دوڑ دھوپ کے بعد دونوں دھر لیے گئے اور پھر اس نے دونوں کو ایک بورے میں بند کر کے اوپر سے کس کر باندھ دیا۔

''اب ہم اِن ٹھگوں کو چھوڑیں گے نہیں اور لے چل کر اُن کو دریا میں ڈھکیل دیں گے۔'' اب اُن کی خیریت نہیں تھی لیکن اتفاق سے راستے میں کسان کو بھوک لگی۔

اس نے اپنے دوستوں سے کہا'' بھوک لگ رہی ہے۔ آؤ کچھ کھا لیا جائے اور یہ بورا ایک طرف ادھر ہی رکھ دیتے ہیں۔ یہ مکّار بھلا اندر سے کیسے کھول سکتے ہیں۔''

کوتو اور ماہا کی قسمت اچھی تھی۔ کسان جب اُدھر کھانا کھانے کے لیے گیا کہ اسی دوران اِدھر سے ہو کر ایک بوڑھی عورت گزری۔ وہ چلاّ چلاّ کر کہہ رہی تھی'' کیا کسی نے میری بھیڑ دیکھی ہے؟ ہائے وہ کہاں کھو گئی؟''

اُس کی آواز سُن کر دونوں مکّاروں نے آواز نکالنی شروع کر دی'' بئیں، بئیں'' گویا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ تمھاری بھیڑ اِدھر بورے میں بند ہے۔

ظاہر ہے پھر بوڑھی عورت نے بورا کھول دیا اور جھٹ سے کوتو اور ماہا کود کر باہر

آ گئے۔

بھلا ان کے دل میں کسی کے لیے کہاں رحم۔ انھوں نے پکڑ کر بوڑھی عورت کو اسی وقت بورے کے اندر بند کر دیا۔ اور اس کا مُنھ کَس کر مضبوطی سے باندھ دیا۔ دریا میں ڈبونے میں اُسے کوئی کسر نہیں تھی۔ وہ تو خیریت یہ ہوئی کہ اس کے رونے کی آواز رمبا نے سُن لی جب کہ وہ واپس آیا۔ اس پر اسے بڑی حیریت ہوئی۔ فوراً ہی وہ سمجھ گیا کہ دوبارہ اُسے دھوکہ دیا گیا ہے۔

اس طرح دونوں مکّار جہاں کہیں جاتے چوری اور بے ایمانی سے باز نہیں آتے۔ اگر ٹوکری یا کوئی بنڈل ہوتا تو اٹھا کر اُسے اپنے کندھے پر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ اگر وہ پکڑے گئے تو وہ کہتے ''ہم تو یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اس کا کتنا وزن ہے۔'' اگر چوری کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تو وہ اُسے صاف لے جاتے اور لے جا کر اپنے گھر میں چھپا دیتے۔

امیر لوگ، کسان، بوڑھی عورت، بزرگ لوگ! کوئی بھی اُن کی مکّاری سے بچ نہیں سکتا تھا۔

ایک دن ایک بوڑھے گڈریے کو اُنھوں نے اپنا نشانہ بنایا۔ سڑک کے کنارے ایک بھاری چٹان اوپر سے سڑک پر لٹکی ہوئی تھی۔ چٹان کچھ اس طرح آڑی ترچھی نکلی ہوئی تھی گویا کہ یہ لڑھکنے والی ہے۔ جو شخص اُسے پہلی بار دیکھتا تو ضرور ڈر جاتا۔ لیکن حقیقتاً اس کے گرنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ یہ دراصل ایک بہت بڑی چٹان کا حصّہ تھی جو زمین کے اندر دھنسی ہوئی تھی۔

دونوں مکّاروں نے تدبیر سوچی کہ کسی طرح ایک بھیڑ چرانی چاہیے۔ انھوں نے

دیکھا کہ ایک بوڑھا گڈریا سڑک کی طرف چلا آرہا ہے۔ وہ چھپ کر باہر نکلی ہوئی چٹان کو کندھوں سے سہارا دے کر اس کے عین نیچے کھڑے ہو گئے۔

جب بوڑھا گڈریا قریب آیا تو انھوں نے آواز دیتے ہوئے کہا ''دادا! آپ بڑے وقت پر آئے۔ دیکھ رہے ہیں کہ یہ چٹان گرنے والی ہے اور ہم نے اسے اپنے کندھوں سے سہارا دے کر روک رکھا ہے۔ نہیں تو یہ سڑک پر گر جائے گی۔ اب ہمیں پیاس لگ گئی ہے۔ ہم وہاں نیچے دریا سے پانی پی کر ابھی آرہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے دادا ہماری جگہ آپ اسے سنبھال لیجیے۔''

بوڑھا گڈریا سیدھا سادا آدمی تھا۔ اسے کیا پتہ کہ اس میں کوئی چال ہے۔ وہ مدد کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔

''دادا! یہاں سے ہلیے گا نہیں جب تک کہ ہم آ نہ جائیں۔ کندھے کو ڈھیلا نہ کرنا ورنہ چٹان تمھارے اوپر گر جائے گی۔'' جاتے جاتے انھوں نے اُسے آگاہ کر دیا۔

بوڑھا آدمی بے چارا چٹان کو روکے ہوئے کھڑا رہا۔ اس نے دیکھا کہ دونوں مکار ایک بھیڑ کو پکڑ کر دریا کی طرف لے جا رہے ہیں۔ پھر وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ افسوس کہ یہ بھیڑ اسے واپس نہیں ملی۔ معلوم نہیں کتنی دیر تک وہ ٹیک لگائے وہیں کھڑا رہتا اگر ایک نوجوان مسافر اُدھر سے نہ گزرا ہوتا۔

''آپ کیا کر رہے ہیں! دادا میاں؟'' مسافر نے حیرت سے پوچھا۔

''دیکھ رہے ہو! میں اس چٹان کو روکے ہوئے کھڑا ہوں۔ اگر میں ہلا تو یہ چٹان میرے اوپر گر جائے گی اور میں اس کے نیچے دب جاؤں گا۔ دو آدمی پہلے سے یہاں کھڑے تھے اور انھوں نے مجھ سے یہی کہا۔

دادا دیکھیے یہ چٹان گرنے والی ہے تھوڑی دیر کے لیے اسے آپ سنبھال لیجیے۔

''نہیں دادا میاں ایسا نہیں! میں اس چٹان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کے گرنے کا سوال ہی نہیں ہے'' اس نے بوڑھے گڈریے کو باہر نکالا۔ پھر خود اس نے پوری طاقت سے چٹان کو نیچے گرانے کی کوشش کی تاکہ بوڑھے کو یقین آ جائے کہ جب یہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہے تو اس کی کہی ہوئی بات سچ ہے۔

''اس کا مطلب یہ کہ ان آدمیوں نے مجھے دھوکہ دیا اور بات بنا کر میری بھیڑ چرا لے گئے۔'' بوڑھے آدمی نے سر ہلاتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی۔

''کوتو اور ماہا کے علاوہ بھلا کون ہو سکتا تھا۔''

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چال باز لوگ خود بہ خود اپنے جال میں پھنس جاتے ہیں اور آخیر میں ان دونوں مکاروں کے ساتھ یہی ہوا۔

ان کے گھر میں ایک غلام زادی رہتی تھی۔ ایک دن وہ مچھلی پکڑ رہی تھی کہ اسے پکڑ کر زبردستی یہ دونوں لے آئے تھے۔ اس عورت کا ایک بڑا سا بچہ بھی تھا جو دریا کے کنارے بیٹھا بیٹھا کھیل رہا تھا۔ اسے بھی وہ پکڑ لائے تھے۔ کوتو اور ماہا دونوں سے خوب کام لیتے تھے۔

ایک دن یہ دونوں آدمی آپس میں جھگڑ پڑے۔ دونوں لالچی تھے اور چاہتے تھے کہ سارا خزانہ جو انھوں نے جمع کیا ہے ان میں سے ایک کے ہاتھ آ جائے۔

''آج مچھلی کھانے کو جی چاہتا ہے'' کوتو نے ماہا سے کہا ''چلو! چل کر دریا سے مچھلی پکڑ لائیں۔''

''بہت خوب! جب تک ہم مچھلی لائیں گے نوکرانی چاول بنا کر تیار رکھے گی۔''

ماہا نے ترکیب سوچ لی تھی کہ کوتو سے میں کیوں کر چھٹکارا حاصل کر سکتا ہوں۔ چنانچہ کوتو

جب مچھلی پکڑنے میں مصروف تھا موقع دیکھ کر وہ چپکے سے گھر چلا آیا۔

"چاول تیار ہو گیا؟ کون سا کوتو کے حصّے کا ہے؟" اُس نے نوکرانی سے پوچھا اور جب نوکرانی نے پیالہ اُس کی طرف بڑھا دیا تو اُس مکّار آدمی نے چاول کے اُوپر خطرناک زہر چھڑک دیا۔ زہر کا یہ پاؤڈر سفید تھا جو چاول کے ساتھ حل ہو گیا۔ اب چاول دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس میں زہر ملا ہے۔

"لو! اسے رکھ دو۔" اس نے پیالہ نوکرانی کو واپس دے کر کہا "یاد رکھو کہ کوتو آئے تو یہ پیالہ اسی کو دینا۔"

دل میں اس نے سوچا "چلو! اس کا قصہ تمام ہو جائے گا پھر سارے خزانے پر میں قابض ہو جاؤں گا۔"

اور وہ دریا کی طرف واپس چل پڑا۔

اُس دوران کوتو کو پتہ چل گیا کہ اس کا دوست غائب ہے۔ اُسے بڑی فکر ہوئی۔ گھبراہٹ میں وہ بھی گھر کی طرف چل پڑا۔

"ماہا! تمھاری یہ حرکت اچھی نہیں" کوتو نے چیخ کر کہا۔ آخر اُسے پتہ کیسے چلا کہ ماہا نے کیا کیا ہے۔ شاید ماہا کے دل میں چور تھا۔

"کیا بات ہے؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا" ماہا نے سنبھل کر جواب دیا۔ پھر دونوں اُلجھ پڑے۔ بڑے زور کی لڑائی ہوئی اور تیز چاقو سے کوتو نے ماہا کا گلا کاٹ دیا۔ اُس کے بعد اُس نے ماہا کی لاش کو اُٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ اطمینان سے پھر وہ گھر لوٹ آیا۔

"بڑی بھوک لگی ہے۔ نوکرانی کھانا لاؤ" کوتو نے اِس طرح ایکٹنگ کی گویا کوئی

غیر معمولی بات پیش نہیں آئی ہے۔

ماہا نے جو پیالہ تیار کیا تھا اُسی کو اُس نے کوتو کو دے دیا۔ کوتو اتنا بھوکا تھا کہ بلا تامل لپک کر اُسے کھانے لگا۔

ابھی بہ مشکل اُس نے دو چار لقمے بھی نہیں کھائے تھے کہ اُس کے گلے میں جلن ہونے لگی۔ وہ پریشان ہو اُٹھا۔ اور تڑپ کر زمین پر گر گیا۔ زہر تیز تھا اور اُس کے جسم میں پوری طرح سَرایت کر چکا تھا۔ اِس لیے وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

دنیا اِس طرح دونوں مکاروں سے پاک ہوئی۔ نوکرانی اور اُس کا لڑکا دونوں بچ گئے۔ اور اُن مکاروں کے گھر میں رہنے لگے۔ اُن کی ساری دولت اور خزانہ مِل گیا۔ اُن کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔ جو چاہتے خرید سکتے تھے اور جو چاہتے کھا سکتے تھے۔ نہ کسی کی فکر اور نہ کسی کی پروا۔

اِس کو کہتے ہیں قسمت اور قسمت کا پھیر۔

☆......☆......☆

چھ گھوڑ سوار

''سردار کی لڑکی غائب۔''

''بالو نام کا ڈاکو ناسا کو بھگا لے گیا۔''

ہوسا نام کے قبیلے کے قصبوں میں یہ خبر سنسنی خیز طور پر پھیل گئی۔ شرم سے ہر ایک کی گردن نیچی۔ سب جانتے تھے کہ بالو قریب کے قبیلے کا سردار ہے۔ عام طور سے لوگ اُسے ڈاکو اس لیے کہتے تھے کہ وہ ایک اونٹ یا گھوڑا جب چاہتا اپنی مرضی اور پسند کے مطابق سب کی آنکھوں کے سامنے سے اُٹھا کر لے جاتا۔

اور اب اُس کی ہمّت دیکھو کہ سردار کی لڑکی ناسا کو اُٹھا کر لے گیا۔ یہ لڑکی پیاری تھی۔ اُس علاقے میں جتنی لڑکیاں تھیں اُن میں یہ سب سے خوبصورت اور نرم دل تھی۔

یہ تعجب کی بات نہیں کہ بالو اُسے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوگا۔ کمال تو یہ ہوا کہ وہ اُسے اُس کے بستر سے اُٹھا کر لے گیا اور سپاہیوں کو خبر تک نہیں ہوئی۔

ناسا کا باپ بہت غم گین اور فکر مند ہوا کہ اب کیا ہوگا۔

''ہمارے قبیلے کا اگر کوئی نوجوان ہمت دکھائے اور میری لڑکی کو زندہ سلامت بچا کر واپس لائے تو اپنی لڑکی کا میں اُس سے بیاہ کر دوں گا اور اپنی آدھی دولت انعام میں دے دوں گا۔''

موسمِ خزاں میں طوفان آتے ہیں جس طرح پتیاں اڑتی ہیں اسی طرح تیزی سے یہ اعلان ہوسا کے قصبے قصبے میں پھیل گیا۔

ایک جوان شہزادے کو بھی اس کا پتہ چلا۔ وہ بھی ایک سردار کا لڑکا تھا۔ اُس کا نام فِدے بی تھا۔ بہادری کے کارناموں کے لیے وہ بھی مشہور تھا۔

''سردار کی لڑکی کو میں واپس لاؤں گا'' فِدے بی نے کہا۔ اُس نے خود ناسا کو دیکھ رکھا تھا اور اس کا مداح تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اُسے دل سے چاہتا تھا۔

لہٰذا اُس نے زین کسی اور اپنی سب سے تیز گھوڑی کو لے کر ٹپ ٹپ کرتا ہوا مضبوط قلعے کی طرف چل پڑا جہاں بالو نے لڑکی کو بند کر رکھا تھا۔

فِدے بی ابھی کچھ ڈور ہی گیا تھا کہ اس کو ایک دوسرا مسافر ملا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ فِدے بی سے جب اُس نے پوچھا کہ آج اِدھر کیسے نکل آئے تو اُس نے ہمت سے کہا۔ ''میں اپنے سردار کی لڑکی ناسا کی تلاش میں نکلا ہوں جسے بالو نے اپنے قلعہ میں بند کر رکھا ہے۔''

دوسرا گھوڑ سوار کانپ اُٹھا۔ افریقہ کے اُس علاقے میں بالو کے نام سے سبھی ڈرتے تھے۔ اُس کا قلعہ مضبوط تھا۔ اور اُس کے سپاہی بھی اُتنے ہی ظالم تھے جتنا کہ خود وہ۔

''تمھیں تنہا نہیں جانا چاہیے۔'' اُس نے ہمدردی میں کہا ''وقت بے وقت تمھاری مدد کے لیے تمھارا ایک اور ساتھی ضرور ہونا چاہیے۔ اگر کہو تو میں تمھارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔''

دراصل وہ بھی نوجوان تھا اور اُسے بھی خطرہ مول لینے کا شوق تھا۔

''ایک سے کہیں بہتر ہے کہ دو آدمی ساتھ میں ہوں'' فِدے بی بات مان گیا اور اُس نے کہا ''اگر تم میرے ساتھ آنا چاہو تو لبیک۔'' اِس طرح دونوں سوار آگے بڑھے۔

ابھی تھوری ہی دور گئے تھے کہ اُن کی ملاقات ایک تیسرے مسافر سے ہوئی۔ ہمّت اور جواں مردی کی بات سُن کر اُسے بھی شوق ہوا کہ ان کا ساتھ دے۔

''اگر دو ایک سے بہتر ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ تین افراد دو سے کہیں بہتر ہوں گے'' فِدے بی پھر تیار ہو گیا۔ اسی طرح تین اور بہادر گھوڑسوار راستے میں ملے اور سب کے سب ساتھ دینے کو تیار ہو گئے۔

اب اُن کی تعداد چھ تھی اور جب وہ قدم اٹھاتے تھے تو اُن کی ٹپ ٹپ کی آواز زوروں سے سُنائی دیتی تھی۔ فِدے بی پیش پیش اور باقی سب سواروں نے مع اپنے گھوڑوں کے دریا پار کیا۔ یہ دریا بالوڈاکو کے اور اُن کے علاقے کے درمیان ایک حد فاصل تھا۔

دریا کو پار کرنے کے بعد دوسری طرف وہ لوگ ایک قصبے میں پہنچے۔ شام ہو گئی تو اُنھوں نے طے کیا کہ ایک سرائے میں رات گزاری جائے۔ اُس سرائے میں اُن کو ایک بھٹیارن ملی جو تپاک سے پیش آئی۔ یہ خود جوان تھی اور کسی قدر جاذب نظر۔ اُس

نے ناسا کے بارے میں اُن کوئی راز کی باتیں بتائیں۔

''میں اُس لڑکی کو اچھی طرح جانتی ہوں'' اُس نے وضاحت کی۔ ''ہر صبح کو میں بالو کے قلعہ کے اندر جاتی ہوں اور وہاں اس کی بیگمات کے بال سنوارتی ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ ناسا سب سے خوب صورت ہے لیکن پتہ نہیں کیوں وہ مغموم رہتی ہے اور روتی بھی ہے۔ میرا دِل بہت دُکھتا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں اُسے رہا کرا دوں۔''

اس طرح فِدے بی کو اندازہ ہو گیا کہ بالو کتنا سنگدل انسان ہے اور حد یہ ہے کہ بالو کے عوام بھی اُس کی ظالمانہ حرکت سے نفرت کرتے ہیں۔

''میرے باپ امیر آدمی ہیں'' فِدے بی نے ناؤن سے کہا ''اگر تم ہمارا ایک کام کر دو تو تم کو میں مالا مال کر دوں گا لیکن دیکھو کسی کو کانوں کان یہ خبر نہ ہو کہ میں ناسا کے وطن سے آرہا ہوں۔''

لڑکی راضی ہو گئی اور فِدے بی کی ساری شرطیں اُس نے مان لیں۔

فِدے بی نے اُس سے مزید کہا ''تم جا کر ناسا سے کہنا کہ مجھے اس کے باپ نے بھیجا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اُسے قید خانے سے رہا کراؤں گا۔ اپنے بھروسے میں لے کر اس سے کہنا کہ وہ کوئی ایسی ترکیب بتائے کہ اُسے یہاں سے میں نکال سکوں۔''

دوسرے دن صبح جیسے ہی وہ لڑکی سرائے سے قلعہ کی طرف روانہ ہوئی کہ اُسی وقت فِدے بی نے اپنے پانچوں دوستوں کو اکٹھا کیا۔ ''یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم سب مدد کے لیے آمادہ ہو۔'' اُس نے کہا ''لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم میں سے ہر ایک کس کس

فن کے ماہر ہو۔ اگر ہم کو اپنے مشن میں کامیابی ہوگئی اور سردار کی لڑکی سے میری شادی ہوگئی تو یہ بات طے ہے کہ تم سب کو میں مُنھ مانگا انعام دوں گا۔''

''میں عقل اور ذہانت میں تیز ہوں'' پہلے گھوڑ سوار نے کہا ''اس صفحہ ہستی پر کوئی شخص کوئی بھی سوال پوچھے یا کٹھن سے کٹھن گتھی ہو میں اُسے حتی الامکان سلجھا دوں گا۔''

''میں پیشن گوئی کر سکتا ہوں'' دوسرے گھوڑ سوار نے بتایا ''یہ سمجھیے کہ مجھے خدا نے ایسا علم عطا کیا ہے کہ اُس کے زور سے میں یہ معلوم کر لیتا ہوں کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔''

''ایک سیکنڈ میں میں بڑی لمبی چوڑی ایک کھائی کھود سکتا ہوں'' تیسرے گھوڑ سوار نے اپنا کرشمہ بتایا۔

چوتھا بھی بھلا کیوں پیچھے رہتا ''میں منٹوں میں ایک بڑی کشتی بنا سکتا ہوں اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔''

''جہاں تک میرا سوال ہے'' پانچویں گھوڑ سوار نے کہا ''میرے پاس مضبوط قسم کا جُوجُو ہے اس کی مدد سے میں اپنی شکل اور بھیس بدل سکتا ہوں اور اپنی مرضی کے مطابق کسی وقت بھی جو چاہوں بن سکتا ہوں۔''

اِن باتوں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ چھ گھوڑ سوار الف لیلیٰ کی کہانی کے زمانے میں غالباً رہتے تھے۔ یوں سمجھیے کہ قدیم زمانے میں، آج سے بہت بہت پہلے۔

ٹھیک اسی وقت، بالو کے قلعہ میں ناؤن ناسا کے لمبے لمبے بالوں کو سنوار رہی تھی

اور وہ خاموشی سے فِد ے بی کا پیغام اس کے پاس پہنچا رہی تھی۔

''ایک خوبرو جوان آیا ہے۔ اُس کا نام فِد ے بی ہے۔ وہ تمھارے وطن سے آیا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تم کو اس قید خانے سے آزاد کرائے گا لیکن تم سوچ کر کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ وہ اس قلعہ میں داخل ہو جائے۔''

ناسا خاموش رہی جب تک کہ ناؤن نے اپنا کام ختم نہیں کر لیا۔ اس کے بعد بغیر کچھ بولے ہوئے اُس نے تین چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں لڑکی کے ہاتھ میں رکھ دیں۔ ناؤن ہوشیار تھی اور اس نے جلدی جلدی اپنی کنگھیوں اور برش کے درمیان اُن کو رکھ کر چھپا لیا۔

''کیا فِد ے بی اس سے مطلب نکال لے گا؟'' اس نے پوچھا۔ سردار کی لڑکی نے سر ہلا دیا۔

فِد ے بی نے جب ان پٹلیوں کو کھولا تو اُسے اُن کا معمہ کچھ واضح نہیں ہوا۔ ایک میں انجیر کا ایک پتا تھا اور پتا بھی عجیب قسم کا تھا اور فِد ے بی نے اس قسم کا پتا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دوسری پوٹلی میں ایک ہڈی تھی اور اُس میں کچھ گوشت کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ تیسری پوٹلی میں ہری گھاس کا ایک گُچھا تھا۔

''بھلا اُس انجیر کے پتے، اس ہڈی اور گھاس کو لے کر میں کیا کروں گا؟'' اُس نے اپنے اُس ساتھی کی طرف مخاطب ہو کر کہا جس نے اُس سے کہا تھا کہ کتنا بھی مشکل سوال ہو اس کا جواب ڈھونڈھنا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

''اس میں کیا ہے'' عقل مند نوجوان نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا ''یہ پتا اُس درخت کا ہے جو کہ ناسا کی کھڑکی تک مع اپنی شاخوں کے بڑھا ہوا ہے۔ ہڈّی

کتے کے لیے ہے تاکہ وہ بھونک نہ سکے۔ یہ کتا درخت کی جڑ میں رکھوالی کے لیے بندھا ہوا ہے اور وہیں ایک طرف ڈاکو کا گھوڑا بھی بندھا ہوا ہے۔ ہنہنا کر خطرے سے وہ اپنے مالک کو آگاہ کر دے گا۔ ایسے موقع پر یہ گھاس کام آئے گی اور اُسے دیکھتے ہی وہ خاموش ہو جائے گا۔"

اُس نوجوان نے تو واقعی اپنی ذہانت کا ثبوت دے دیا۔

اُس رات کو کسی قدر اُجالا تھا اور چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ فِدے بی قلعہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ درخت ڈھونڈھنے میں اُسے دیر نہیں لگی۔ کتے کو دیکھتے ہی اُس کے سامنے اُس نے ہڈّی ڈال دی تاکہ وہ ہڈّی چبانے میں مصروف ہو جائے اور بھونک نہ سکے۔ ڈاکو کے گھوڑے کو بھی ہنہنانے کی نوبت نہیں آئی اِس لیے کہ جلدی سے اُس کے سامنے اُس نے گھاس ڈال دی اور پھر وہ بھی گھاس کھانے میں مصروف ہو گیا۔

فِدے بی آسانی سے درخت پر چڑھ گیا اور کھڑکی میں سے ہو کر جہاں ناسا اُس کا انتظار کر رہی تھی وہ اندر داخل ہو گیا۔ اُس نے اُسے بتایا کہ جب ہم دونوں کی شادی ہو جائے گی تو وہ اِس سے بہت پیار کرے گا اور دونوں ہنسی خوشی ساتھ ساتھ رہیں گے۔ وہ باتوں میں مصروف رہے اور انتظار کرتے رہے کہ چاند پر کوئی بادل آجائے تو وہ دونوں نکل بھاگیں ورنہ کوئی دیکھ لے گا۔

باتیں وہ دبی زبان میں کر رہے تھے لیکن سردار بالو بھی چوکنا تھا۔ اُسے کچھ بھنک پڑی اور اُس نے جھٹ سے اپنے محافظ دستے کو آواز دی۔

"ناسا کے ساتھ کوئی ہے۔ میں نے خود اُس کی آواز سنی ہے۔ گھیر لو۔ دیکھو وہ نکل کر بھاگنے نہ پائے۔ ڈھولک پیٹ کر بجا دو۔ سب سے کہو اکٹھے ہو جائیں۔ مجھے

اِس وقت سب کی ضرورت ہے۔''

سارا قصبہ بیدار ہوکر اکٹھا ہوگیا۔ڈاکو نے پھر یہ حکم دیا:

''میرے قلعے میں ایک چور داخل ہوگیا ہے۔اُسے پکڑنا ہے۔تم لوگ قلعہ کی چھت پر چڑھ جاؤ۔ایسا کرو کہ ایک ایک کرکے اُس کی اینٹ کو ہٹاتے جاؤ تاکہ اُسے پھاند کر نکل جانے کا موقع نہ ملے۔اس کے بعد قلعہ کی دیواروں کو گراؤ اور رفتہ رفتہ ایک ایک پتھر کر کے بنیاد تک نکال ڈالو۔اجنبی جائے گا کہاں خصوصاً ایسے وقت جب کہ اتنے سارے لوگ مع سپاہیوں کے اس کی تلاش میں ہیں۔''

حکم ملتے ہی جنتا نے اپنا کام شروع کر دیا۔اُس بھیڑ میں جوان ہیرو کے پانچ ساتھی بھی موجود تھے۔

''ہمارے دوست پر مصیبت آن پڑی ہے'' اُس شخص نے چپکے سے اپنے دوست کے کان میں کہا جو کہ مستقبل کے واقعات کو دیکھ سکتا تھا۔''بالو اُس کو جان سے مار دے گا۔پیشن گوئی سے صاف ظاہر ہورہا ہے۔فوراً ہمیں کوئی ترکیب ایسی اختیار کرنی چاہیے کہ ہم لوگ فِدے بی اور ناسا کو قلعہ سے باہر نکال لیں۔''

چشم زدن میں وہ دوست جو ایک سیکنڈ میں سرنگ کھود سکتا تھا اُس نے قلعہ کے دوسری طرف اپنا کام شروع کردیا۔پشت پر بغیر کسی کے دیکھے وہ کھدائی کرتا رہا۔کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی اور فِدے بی اور ناسا لیٹ کر اُس سرنگ سے باہر نکل آئے۔

باہر اُن کے گھوڑے پر زین کسی تھی۔ناسا کو آگے اپنی تیز گھوڑی پر بٹھا کر فِدے بی ڈاکو کے قصبے سے نکل بھاگا۔فِدے بی آگے آگے اور پیچھے اُس کے گھوڑ سوار

دوست۔ یہ جا وہ جا۔ سب بھاگ نکلے۔

اُسی دوران قلعہ کی چھت ہٹ چکی تھی۔ دیوار بھی گر رہی تھی لیکن اندر سناٹا۔ کوئی چور نہیں مِلا۔ بالو کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ اس کی خوب صورت ناسا بھی غائب تھی۔ پھر تو وہ غصّے سے لال پیلا ہو گیا۔

''گھوڑا کہاں ہے میرا۔ لاؤ جلدی لاؤ'' بالو نے جھٹ زین کسی سپاہیوں کی فوج لے کر وہ نکل پڑا اور فِدے بی اور ناسا کو پکڑنے کا اس نے پکّا ارادہ کر لیا۔

بیچ میں دریا حائل تھا۔ پیچھا کرنے والوں کے گھوڑوں کی ٹاپ چھ گھوڑ سواروں کو صاف سنائی دے رہی تھی۔ اُن کو خدشہ تھا کہ دریا پار کرتے کرتے وہ اُن کو کہیں پکڑ نہ لیں۔

اب اس شخص کی باری تھی جو کہ آنکھ جھپکتے ہی جھپکتے ایک بڑی کشتی بنا سکتا تھا۔ بالو کے پہنچتے پہنچتے چھ گھوڑ سوار اور سردار کی لڑکی ایک بڑے جہاز میں بیٹھ کر دریا کے اس پار اترنے ہی والے تھے۔ کشتی واقعی سائز میں ایک بڑے جہاز کے برابر تھی اس لیے اُن کے گھوڑے بھی اُس میں سوار ہو گئے۔

بالو گھوڑے کی پیٹھ سے پانی میں کود پڑا۔ وہ زبردست تیراک تھا۔ ہاتھ پیر مار کر وہ مچھلی کی طرح نہایت تیزی سے تیر رہا تھا۔ اور کوشش میں تھا کہ کشتی کو پا جائے۔ ممکن تھا کہ وہ کامیاب ہو جاتا کہ عین وقت پر فِدے بی کے پانچویں ساتھی کو اپنا جو ہر یاد آ گیا۔ جادو منتر سے وہ ایک دیونما عقاب بن گیا۔ رنگ بالکل سفید گویا کہ سفید بادل۔ سائز میں شُترمُرغ سے بڑا بلکہ بہت بڑا۔ طاقت میں وہ اتنا مضبوط کہ اُس نے سارے جہاز کو اپنے پنجوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ سارے مسافر محفوظ اور کسی کا کوئی

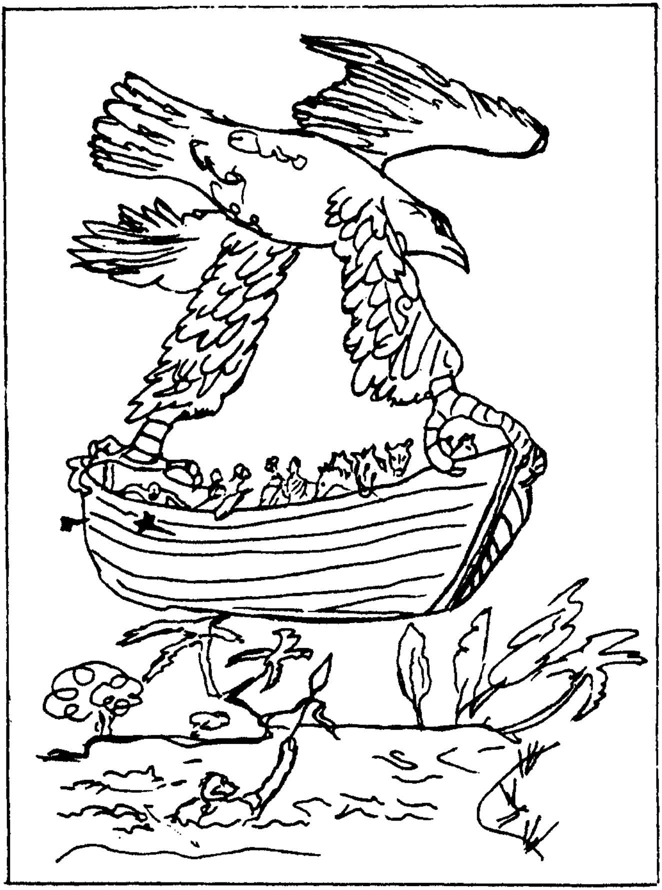

دیونما عقاب۔ اتنا مضبوط اور بھاری بھرکم کہ اُس نے سارے جہاز کو اپنے پنجوں سے پکڑ کر اُوپر اٹھا لیا۔

بال بے کا نہیں ہوا۔ بالو کی گرفت اور رسائی سے بہت اوپر۔

اِس طرح وہ دریا کے پار اُترے۔ اُس کے بعد ہُو ہُو والے آدمی نے ایک بار پھر اپنے جادو کا استعمال کیا۔ منٹوں میں دیوہیکل عقاب ایک خطرناک گھڑیال بن گیا۔ اُس کے دانت اور جبڑے مضبوط۔ لپک کر اس گھڑیال نے بالو کو دبوچ لیا اور چبا کر ختم کر دیا۔ بالو کا قصہ پاک ہو گیا۔ سردار کی شریف بیٹی ہمیشہ کے لیے بچ گئی۔ صحیح و سالم اور خوش۔

اُسے دیکھتے ہی اُس کا باپ خوشی سے جھوم اُٹھا۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اُس نوجوان سے اُس کی شادی کر دی جس نے کہ جان جوکھوں میں ڈال کر اُس کو بچایا تھا۔

شادی میں دعوت زور دار رہی۔ پانچوں گھوڑ سوار خاص مہمان تھے۔ ہر ایک کو انعام میں ایک ایک گھوڑا مِلا اور وہ پانچوں اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا کے مانند اپنے اپنے وطن کی طرف اُڑ گئے۔

☆......☆......☆

کچھوا اور جادو کی ڈھولک

جنوبی سوڈان کے ایک گاؤں میں خوشی کے نقارے بج رہے تھے۔ باجے کی آواز گاؤں کے سرے پر واقع اُس ڈھولک گھر سے آ رہی تھی جو رنگ و محفل منعقد کرنے اور اُس کا اعلان کرنے کے لیے مخصوص تھا۔

دادی اماں نے اپنی پوتی اور پوتے سے کہا "سُن رہے ہو۔ عیسیٰ سردار کی نئی ڈھولک بجا رہا ہے۔"

باجے کی آواز سُن کر پوتی گنگنانے اور ناچنے لگی۔ پوتے نے لکڑی کے دو ڈنڈے لے کر انھیں زمین پر پیٹ پیٹ کر بجانا شروع کر دیا۔ اور گانا گانے کی تیاری شروع کر دی۔ ڈھولک کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ گاؤں میں جشن ہے اور اس دن سہ پہر میں بلکہ اس کے بعد تک ڈھولک کی آواز سنائی دیتی رہی تا کہ سب کو اطلاع ہو جائے کہ آج دعوت ہے۔

یہ گاؤں جنوبی سوڈان کے جنگلی علاقے میں واقع تھا۔ قصبے سے بہت دور۔

گاؤں میں سب اَن پڑھ تھے اور ڈھولک ہی کے ذریعہ وہ اعلان کرانا چاہتے تھے۔

''آج دعوت میں کون سی ڈھولک عیسیٰ بجائے گا دادی!'' لڑکے کو پہلے کی بات یاد آئی جب کہ اُس نے سردار کے یہاں دعوت کھائی تھی۔ ''کیا نئی ڈھولک بجے گی یا شاید پرانی کو عیسیٰ بجائے گا؟''

سردار کے گھر میں ڈھولک کئی طرح کی تھیں۔ جو سب سے بڑی تھی وہ بجتی تو معلوم ہوتا کوئی گرج رہا ہے۔ جو اوسط درجے کی تھی اُس سے گرج دار آواز کے بجائے ذرا ہلکی آواز نکلتی اور جو سب سے چھوٹی تھی اُس کو بجانے سے معلوم ہوتا کہ کوئی کانا پھوسی کر رہا ہے۔

دادی امّاں نے جواب دیا ''میرے بیٹے پتہ نہیں کون سی ڈھولک ہوگی لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر جادو والی یعنی بہادر عُدو کی ڈھولک ہے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت شاندار ہے۔''

دادی امّاں کا موڈ کہانی سنانے کا تھا۔ یہ دیکھتے ہی لڑکا خاموش ہو گیا۔ لڑکی نے گانا بند کر دیا۔ دوسرے بچّے بھی خاموش ہو گئے۔ پھر دادی امّاں نے شکر قند کی کھیر والی ہنڈیاں کو چلاتے ہوئے کہانی شروع کی۔

عدو ایک بڑا سردار تھا۔ اُس کے زمانے میں جانور اور انسان میں فرق نہیں تھا۔ جانوروں کو انسان اپنے بھائی سمجھتے تھے۔ جُوجُو ایک جادو کی آواز تھی۔ درختوں کی شاخ، دریاؤں کی روانی ہر جگہ سے جُوجُو کی آواز سُنی جا سکتی تھی۔

عدو سردار اُس جُوجُو کی آواز کا مالک تھا۔ وہ اُس کی بڑی قدر کرتا۔ جو کھانا پکتا اُس میں سے جُوجُو کے حصّے کا الگ برتن میں رکھ کر درخت کی جڑ میں عدو بھیج دیتا۔

وہیں ایک لکڑی کا بت تھا۔ بہرحال گاؤں میں سب پر بڑا رعب تھا کہ سردار کے پاس جادو ہے۔

ایک دِن ایسا ہوا کہ سردار عدو اپنی ڈھولک پر نئی کھال منڈھ رہا تھا۔ جب اُس کی نسیں کس گئیں تو سردار نے اُس ڈھولک کو بجا کر جو پہلا گیت گایا وہ ھُو ھُو کی تعریف میں تھا۔ اس طرح ھُو ھُو بہت خوش ہو گیا۔

درخت ھُو ھُو کی آواز آئی ''عدو! واقعی تم اچھے ہو۔ اس ڈھولک کے ذریعہ جادو کا ایک نیا تحفہ ہم تمھیں پیش کرتے ہیں۔ جب بھی تم اُسے بجاؤ گے کھانے کے لیے جو چیز بھی تمھیں چاہیے اور جتنی چاہیے وہ خود بہ خود حاضر ہو جائے گی۔ پینے کے لیے شربت یا جو بھی مشروب چاہیے وہ مہیا ہو جائے گا۔''

سردار خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے سوچا ''واقعی یہ تو بڑا اچھا جادو ہے لیکن کیا یہ سچ ہے؟ ڈھولک بجا کر اُس نے فوراً آزمایا۔ اور یہ کہا کہ میرے گھر بھر کے لیے شکر قند کا حلوہ آجانا چاہیے اور حقیقتاً درخت کی جڑ کے پاس ایک بڑے برتن میں شکر قند کا حلوہ بھرا پڑا تھا۔ چکھنے پر معلوم ہوا کہ واہ کتنا میٹھا ہے اور کس قدر مزے دار۔ ایسا ہی جیسا کہ سردار کی بیویاں خود اپنے ہاتھوں سے بناتی تھیں۔

اِس کے بعد سے یہ معمول بن گیا۔ جب بھی جی چاہتا وہ ھُو ھُو کی ڈھولک بجا کر شکر قند کا حلوہ منگا لیتا اور پھر اس کے خاندان کے لیے وہ کافی ہوتا۔ روزانہ ھُو ھُو کا شکریہ ادا کرنا بھی وہ نہیں بھولتا۔

سردار عدو حقیقتاً ایک ملنسار اور دوست نواز انسان تھا۔ لڑنا جھگڑنا اُسے اچھا نہیں لگتا۔ تُو تُو مَیں مَیں میں کبھی کسی پڑوسی سے وہ پہل نہیں کرتا اگرچہ دوسرے سردار

لڑنے سے باز نہیں آتے۔ کبھی کبھی آناً فاناً نئے اور عجیب عجیب جنگجو آجاتے اور اپنے تیر وکمان سے عدو کے گاؤں پر ٹوٹ پڑتے۔ ہزاروں آدمی زخمی ہوتے بہت سے مر بھی جاتے۔

ایک بار جب اُس کے گاؤں پر اچانک کسی دشمن نے حملہ کر دیا تو عدو نے نئی ترکیب سے وہ جنگ جیتی۔ دشمن کے مقابلے کے لیے وہ اپنی جادو کی ڈھولک لے کر آگے بڑھا۔ حملہ کرنے سے پہلے اُس نے ڈھولک پر ہاتھ مارا اور منٹوں میں دشمن کے سامنے ایک شاندار دعوت کا انتظام ہو گیا۔ برتنوں میں شکر قند کی کھیر بھری ہوئی اور تاڑ کی جڑیں اور اُبلی ہوئی ڈھیروں مونگ پھلی۔ یہ سماں دیکھتے ہی حملہ آور کھانے پر پل پڑے۔ بھلا کس کو معلوم تھا کہ کھانے کی اتنی بہتات ہے۔ کھانے میں اُنھیں ایسا مزہ آیا کہ وہ لڑنا بھڑنا بھول گئے۔ کھانا کھا کر اُن کے پیٹ اتنے بھر گئے اور وہ اِس قدر آسودہ ہو گئے کہ اب بھلا لڑنے کی چاہ کہاں۔ اُنھوں نے کہا ''یہ سردار کتنا اچھا ہے۔ جب اُس نے ہمیں اتنا عمدہ اور جی بھر کر کھانا کھلایا تو بھلا اس کے خلاف ہم کیوں لڑیں۔''

جادو کی ڈھولک میں ایک راز تھا۔ عدو کو یہ راز معلوم تھا۔ ہُو جُو نے اُسے بتا دیا تھا لیکن عدو نے یہ راز کسی اور کو نہیں بتایا تھا یہاں تک کہ اپنی چہیتی بیوی کو بھی اُس نے نہیں بتایا تھا۔

راز یہ تھا کہ بجاتے وقت کسی لکڑی کو آر پار نہ کیا جائے۔ بھول کر بھی کسی لٹھے کو پار نہ کیا جائے ورنہ جو کھانا ڈھولک کے بجانے سے آتا ہے وہ زہریلا بن جائے گا۔ اسی کے ساتھ ڈھولک کے نوکر چاکر بھی آجائیں گے جو بڑے بے درد اور خوفناک

ہوں گے۔ اُن کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہوگی۔ ساتھ ساتھ یہ سب کوڑوں سے لیس ہوں گے۔

عدو کو یہ ساری باتیں معلوم تھیں۔ اِس طرح وہ ہمیشہ چوکنا رہتا اور جب بھی وہ ڈھولک بجاتا ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا کہ اُس کے قدموں کے نیچے کوئی لکڑی یا لٹھ نہ رہے۔

عدو سردار امیر بھی تھا۔ اس کی بیویوں اور بچّوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اُن کو گن نہیں سکتا تھا۔ اس کے جھونپڑوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ نوکر چاکر بھی اَن گنت تھے۔ گودام کھانے سے بھرے رہتے تھے۔ دُور دُور تک اُس کی شہرت تھی۔ جادو کی ڈھولک بھی اُس کی مشہور تھی۔

سردار فارغ البال اور فیاض تھا۔ وقتاً فوقتاً جنتا کو بلا کر وہ دعوت کرتا۔ اُن کی تعداد سیکڑوں ہوتی۔ یہاں تک کہ جو جانور ڈھولک کی آواز سنتے وہ بھی چلے آتے۔ ناچنا اور گانا دیکھ کر وہ خاموش ہوتے۔ اُن دنوں انسان اور جانور آپس میں مِل جُل کر بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے۔

مہمانوں کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے ''سردار کے پاس جُو جُو کتنے غضب کا ہے اور ڈھولک کے جادو کا کیا کمال ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کاش ہمارے پاس بھی ایسی ڈھولک ہوتی۔''

دعوت میں ایک کچھوا بھی شریک رہتا۔ وہ ڈھولک کے لیے بڑا ترستا۔ ڈھولک دیکھ کر اُس کے منھ میں پانی بھر آتا۔ ہفتوں وہ اُسی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سردار سے بھلا وہ اسے کیسے حاصل کر سکے گا؟

ایک دن بھولے سے سردار کی ایک بیوی تاڑ کے درخت کے نیچے چلی گئی۔ اس تاڑ کے درخت کا مالک کچھوا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے سردار کی بیوی نے تاڑ کا ایک پھل اٹھالیا اور اُسے اپنی بچّی کو دے دیا کہ لو اِسے کھالو۔

کچھوا وہیں تاک میں بیٹھا تھا۔ جھٹ بولا ''ڈاکو! تم نے میرا تاڑ کا پھل چرانے کی کوشش کیوں کی۔ یہ تو میرا خاص پھل تھا اور آج شام کو میں اسی کا ڈنر کھاتا۔ اب تم نے اُسے اپنی بچّی کو کھلا دیا۔ میں جاتا ہوں اور سردار سے خود اس کی شکایت کروں گا۔''

خوفزدہ بیوی نے کہا ''عدو تمھیں دوسرا پھل دے گا بلکہ ایک کے بجائے دو پھل دے گا۔''

بہر حال کچھوا اور بیوی دونوں محل میں پہنچے۔ مقدمہ سُن کر سردار عدو نے کہا ''کچھوے میاں! شکایت بجا ہے۔ میری بیوی سے غلطی ہوگئی۔ بولو اُس کے بدلے تم کیا چاہتے ہو۔ جو چاہو مانگ لو۔ میں مُنھ مانگا دام دوں گا۔ کتنے پھل تمھیں چاہئیں: دو، دس یا اور کتنے؟ بہر حال جو کہو میں تاوان دینے کو تیار ہوں۔''

کچھوا بھی کم چالاک نہیں تھا۔ اُس نے کہا ''اے سردار! وہ معمولی پھل نہیں تھا۔ اُس میں سرخاب کا پر لگا ہوا تھا۔ کسی دوسرے تاڑ کے درخت کا پھل، دُو دس کا سوال نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہرجانے میں مجھے ہُو بَہُو کا ڈھولک چاہیے۔ بس مجھے صرف یہی چاہیے اور کچھ نہیں۔''

کچھوا مہینوں سے اُسے حاصل کرنے کی فکر میں تھا اور آج اُس کا موقع آ ہی گیا۔ اُس زمانے میں کوئی چیز چرانا خواہ تاڑ کا پھل ہی کیوں نہ ہو بڑا ہی بُرا اور ایک سخت جُرم سمجھا جاتا تھا۔ اِس طرح سردار عدو اپنی ڈھولک ہار گیا اور کچھوے کی قسمت جاگ

اٹھی۔

لیکن سردار کچھوے کو وہ راز کی بات بتانا بھول گیا۔ کچھوے صاحب کو اِس بات کی بالکل خبر نہیں تھی کہ اگر وہ لکڑی کے اوپر سے گزر گئے تو جادو کے ڈھولک کیا گل کھِلائے گی۔

گھر آتے ہی کچھوے نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اُس نے ڈھولک کو بجایا اور اپنے گھر والوں کو ایک شاندار دعوت کھلائی۔ اُس نے دیکھا تھا کہ سردار کس طرح ڈھولک بجا کر جو چیز چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق منگا لیتا ہے ہر ایک کو کھلاتا۔ کچھوا روزانہ ڈھولک سے کام لینے لگا اور اُس کی بیوی، بچّے اور خاندان کے سب لوگ جی بھر کر اور خوب سیر ہو کر ایک سے ایک عمدہ پکوان کھاتے۔

ہر ایک کو یہ فکر کہ آخیر کچھوے کے پاس اتنا کھانا کہاں سے آتا ہے۔ ایک دِن کچھوے کو جوش آ گیا۔ فیاضی کا ثبوت دینے کے لیے اُس نے سوچا ''جُو جُو کی ڈھولک میرے لیے بھی اتنی ہی اچھی ہے جتنی کہ وہ عدو کے لیے تھی۔ میں بھی کیوں نہ ایک دِن سب کی دعوت کر دوں۔''

دعوت کے نقارے بجا دیے گئے۔ لیکن دعوت میں تھوڑے ہی لوگ آئے۔ رائے زنی کرتے ہوئے عوام نے کہا ''اگر کچھوے نے یہ دعوت دی ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ معمولی قسم کی دعوت ہوگی۔'' کافی لوگ اسی لیے آئے بھی نہیں۔

لیکن اُن کا خیال صحیح نہیں تھا۔ بڑے بڑے پیالے شکر قند کی کھیر سے بھرے پڑے تھے۔ کھیر کے علاوہ کھانے میں اور انواع واقسام کے کھانے تھے۔ کچھ لوگ پچھتا کر رہ گئے اور انھوں نے طے کیا کہ اگر آئندہ دعوت کے لیے شادیانہ بجا تو وہ نہیں

چوکیں گے۔

اب جو دوبارہ دعوت کے لیے اعلان ہوا تو اب کی بار ایک جم غفیر آ گیا۔ محض سردار عدوا اور اس کا خاندان نہیں آیا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ لوگ نہیں آئے۔

کچھوے نے جُوجُو کی ڈھولک کو زور زور سے بجایا۔ منٹوں میں مہمانوں کے سامنے دستر خوان بچھ گئے۔ پیالوں میں شکر قند کی کھیر بھر بھر کر آ گئی۔ پینے کے لیے ایک سے ایک عمدہ قسم کا مشروب موجود۔

اتنا عمدہ اور ٹیپ ٹاپ والا انتظام دیکھ کر ہر ایک انگشت بدنداں۔ سبھی لوگ کچھوے کی تعریف کے پُل باندھ رہے تھے۔ واقعی اس وقت کے معیار کے لحاظ سے ذرہ برابر کوئی کمی نہیں تھی۔ تیاری مکمل تھی اور ہر کام ٹھیک چل رہا تھا۔ بس کچھوے نے بھول کر ایک غلطی کر دی۔ یعنی ڈھولک بجاتے وقت وہ ایک لکڑی کے ٹکڑے کو پھاند گیا تھا۔ جسے اس کے ایک بچّے نے بھول کر اُس کی طرف پھینک دیا تھا۔

لکڑی پر پاؤں پڑتے ہی ڈھولک کا جادو ٹوٹ گیا۔ ایک قیامت برپا ہو گئی۔ سارا کھانا زہر بن گیا۔ تین سو خوفناک دیو بھی آ گئے اور آتے ہی وہ بھیڑ پر ٹوٹ پڑے۔ چابک اور کوڑے سے انھوں نے خاطر کی۔ بعض مہمانوں کو چوٹ سخت آئی اور اُن کے لیے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا۔

کچھوا بال بال بچ گیا۔ وہ دیوؤں کے زد میں نہیں آیا اور اُس پر مار نہیں پڑی۔ وہ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر گھنی جھاڑی میں رینگ کر چھپ گیا۔

لیکن سارے مہمان بہت خفا۔ وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اُنھوں نے طے کیا کہ کچھوے کو سبق ضرور سکھائیں گے۔ دُو دُو تین تین کر کے وہ آتے اور کچھوے کی

خوب مرمّت کرتے۔ سب نے کہا اگر دوبارہ ایسا مذاق کیا گیا تو وہ چھوے کو جان سے مار دیں گے۔

ڈرتے ڈرتے وہ سردار عدو کے گھر گیا۔ اُس نے منّت سماجت کی اور گڑگڑا کر روتے ہوئے اُس نے کہا ''سردار عدو! تم اپنی ڈھولک واپس لے لو۔ مجھے اب یہ نہیں چاہیے۔ اُس کے خوفناک نوکروں نے جو مظاہرہ کیا ہے اُس سے ہماری اور ہمارے خاندان کی عزّت خاک میں مِل گئی۔ سچ بات یہ ہے کہ میرے لیے یہ جُوجُو کا جادو راس نہیں آیا۔''

یہ کہہ کر اُس نے جادو کی ڈھولک سردار کے قدموں میں پھینک دی۔ پھر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر تاڑ کی جڑوں میں چھپ گیا۔

اسی ڈر سے آج بھی کچھوا تاڑ کے درخت کی جڑوں میں چھپنا پسند کرتا ہے۔ کبھی اتّفاق سے سال میں ایک بار وہ باہر نکلتا ہے۔ اِس وقت بھی اس کی پُل پُلی کانپتی رہتی ہے۔

اس کی دہشت دُور نہیں ہوتی ہے۔ اب بھی وہ پڑوسیوں سے اور جادو کی ڈھولک کے خوفناک ملازموں سے بہت ڈرتا ہے۔ اِس طرح دادی اماں نے کہانی ختم کی۔ تو بچّو! اب کہانی ختم، پیسہ ہضم۔

☆......☆......☆

کچھوا بھی کچھ کم چالاک نہیں تھا۔ اس نے بے دھڑک ہو کر ہمت سے کہا ''مجھے ٹوٹو کا ڈھولک چاہیے۔''

دس تک گنتی دو طرح سے گنی جا سکتی ہے

''بوڑھے دادا تنکو آ گئے ہیں جو بڑی عمدہ عمدہ کہانیاں سناتے ہیں۔''

سوڈان کے گاؤں میں جو کہ جنوب کی طرف واقع تھا یہ خبر بڑی تیزی سے گرم ہوگئی۔ مرد، عورتیں اور بچے جُوق در جُوق آنے لگے اور پنچایت گھر میں بیٹھنے لگے۔ گاؤں میں دادا تنکو کو سب جانتے تھے۔ اُن کی کہانی میں جو مزہ تھا وہ بھلا کسی اور کی کہانی میں کہاں۔ اِس لیے جب کبھی وہ اِدھر آتے ہر ایک اُن کو خوش آمدید کہتا اور ہاتھ بڑھا کر استقبال کرتا۔

اُس دِن آؤ بھگت کے لیے تنکو دادا کے سامنے سوپ بھرے پیالے پیش کیے گئے۔ جب کھا پی کر وہ سیر ہو گئے تو انھوں نے کہا'' آج میں تمھیں پُرانے زمانے کی ایک عجیب کہانی سناؤں گا۔''

انھوں نے اپنے سفید جیسے لباس کو درست کیا اور آلتی پالتی مار کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اپنے پاس ایک ڈھولک بھی رکھ لی اور پھر اپنی بھوری بھوری انگلیوں سے اُسے

تھپ تھپاتے ہوئے انھوں نے کہا ''یہ کہانی جو میں تمھیں سُنانے جا رہا ہوں اُسے میں نے اپنے دادا سے سُنی تھی۔ اُن کو بھی اپنے زمانے میں کہانیاں سنانے کا شوق تھا۔''

گاؤں کے مُکھیا نے کہا ''تنکو دادا یہ کہانی جو آپ سُنانے جا رہے ہیں اُس سے ہم کیا سبق سیکھیں گے؟''

''اِس کا سبق یہ ہے کہ دس تک گنتی کئی طریقوں سے گنی جا سکتی ہے۔ اس سے تم کو یہ بھی پتہ چلے گا کہ اگر تم ٹھیک بات بتا دو یا ذہانت کا ثبوت دو تو ہوسکتا ہے کہ تمھاری شادی بادشاہ کی لڑکی یعنی ایک شہزادی سے ہو جائے۔ ظاہر ہے پھر تو تم مالا مال ہو جاؤ گے۔''

یہ سُن کر سب نے سر ہلایا۔ ''بہر حال کہانی اچھی ہے'' اب ہر ایک خاموش تھا اور انتظار میں بیٹھا تھا کہ کب تنکو دادا کہانی سُنا ئیں گے۔

چھوٹی ڈھولک جو دادا تنکو کے زانو پر تھی دھیرے دھیرے بجنے لگی۔ اور تنکو دادا نے اپنی میٹھی آواز میں کہانی شروع کی :۔

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب کہ سارے جانوروں میں اتحاد تھا۔ اُن میں نہ کسی قسم کا بھید بھاؤ اور نہ رنگ و روپ کا فرق۔ شکلیں اور جسامت ان کی البتہ الگ الگ تھیں جیسے کہ آج کل بھی بھانت بھانت کے جانور ملتے ہیں لیکن آپس میں ان کی دوستی تھی اور سب میل جول کے ساتھ امن و امان سے رہتے تھے۔ آدمیوں کی طرح ایک ٹولی کے جانور دوسری ٹولی کے جانوروں کے خاندان میں شادی کرتے تھے اور کمال تو یہ ہے کہ ہماری تمھاری طرح جانور آپس میں بات چیت کر سکتے تھے۔

اتحاد، اتفاق اور میل جول ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کا ایک راجہ بھی ہوتا تھا جو

اُن کے اُوپر راج کرتا تھا۔

اِس کہانی کے اندر چیتا جنگل کا راجہ تھا۔ وہ بہت امیر تھا اور اُس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بڑا طاقتور بھی تھا اور اسی لیے دوسرے جانور اُس سے ڈرتے تھے اور اُس کا حکم بجالاتے تھے۔

راجہ چیتے نے ایک دن اپنی سُندر لڑکی سے کہا ''میرے مرنے کے بعد میرا وارث کون ہوگا؟ جلد سے جلد مجھے کسی نہ کسی کو چُن لینا چاہیے جو اتنا عقل مند ہو کہ اپنی چالاکی سے وہ جنگ میں راج پاٹ کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے سکے۔ کوشش کر کے میں اُسے شہزادہ یا کراؤن پرنس بناؤں گا۔ اُس سے پھر تمھاری شادی رچائی جائے گی اور میرے لیے وہ ایک عزیز ترین پسر بن جائے گا۔''

راجہ چیتے کو اپنا یہ خیال پسند آیا اور جلدی ہی اُس نے ایک شاندار دعوت کا انتظام کیا۔ شاہی ڈھولک کی آواز سے سب کو خبر کر دی گئی۔ دُور دُور سے جنگل کے سارے جانور کھنچ کھنچ کر چلے آئے۔

کھانے کی چیزیں ایک سے ایک عمدہ تھیں۔ شربت اور دوسرے مشروب کی بھی سبیل چل رہی تھی۔ باجے کے ساتھ ساتھ سارے مہمان تین دن تک ناچتے اور گاتے رہے۔ جشن راجہ کے شایان شان تھا اور سارے جانور بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

آخیر کار راجہ نے سب کو دائرے میں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ بیچ میں راجہ اور اُس کی لڑکی۔ اُس کے بعد گرج کر اُس نے کہا:

''دوستو! غور سے سنو۔ تم یہ جانتے ہو کہ ایک نہ ایک دِن میں مر جاؤں گا۔ اِس لیے کوئی دوسرا راجہ میری جگہ حکومت کرے گا راجہ بنانے کے لیے مجھے تمھیں میں سے

ایک کو چننا ہے تا کہ وہ حکومت کرنے کے راز کو سیکھ سکے۔''

چاروں طرف بھیڑ میں ایک کھل بلی مچ گئی۔ راجہ کو حکم دینا پڑا کہ سب خاموش رہیں۔

''تم میں جو سب سے چالاک ہے میں اُسی کو چنوں گا اِس لیے کہ بادشاہ اگر عقل مند نہیں ہوگا تو کام کیسے چلے گا۔ پھر اُسے میں شہزادہ یا کراؤن پرنس قرار دوں گا۔ اور اُسے اپنا لڑکا سمجھوں گا۔ جلد ہی میری پیاری اور چہیتی لڑکی کا وہ شوہر بنے گا۔ رفتہ رفتہ میری ساری دولت کا وہ مالک بن جائے گا اور جب میں مرجاؤں گا تو وہ میری جگہ تمھارا راجہ بن جائے گا۔

مہمانوں کے جم غفیر سے آوازیں آنے لگیں۔ ہر ایک کو یہ توقع تھی کہ قسمت اور دولت اُس کے ہاتھ لگے گی۔

راجہ چیتے نے اپنا بلّم اُٹھا کر کہا'' دیکھو! اِسے غور سے دیکھو۔'' اُسے پھر اُس نے ہَوا میں کافی اُونچائی تک اُچھال دیا۔

''اِسی بلّم سے میں تمھیں آزماؤں گا۔ جس کو شہزادہ یا کراؤن پرنس بننا ہے اُسے اِس بلّم کو آسمان کی طرف پھینکنا ہے۔ بلّم پھینکنے کے بعد وہ دس تک گنتی گنے گا قبل اس کے کہ بلّم زمین پر واپس آجائے۔''

اُس کے بعد سارے جانوروں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر ایک نے سوچا بھلا اِس میں کیا رکھا ہے۔ یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

باری باری سے ہر ایک نے آکر قسمت آزمایا۔ جو بھی آتا پہلے راجہ اور اُس کی لڑکی کے سامنے خوشی سے ناچتا۔ پھر وہ جھوم جھوم کر ایک گانا گا کر سُناتا جس کے ذریعہ

وہ بتانے کی کوشش کرتا کہ راجہ بننے کے بعد وہ کیسے حکومت کرے گا۔

سب سے پہلے ہاتھی آگے بڑھا۔ اُس میں شک نہیں کہ طاقت میں اُس کا کوئی جواب نہیں اور سارے جانوروں کو وہ ایک ہی سانس میں باہر پھینک سکتا تھا۔

اُس نے سوچا ''یہ بڑی اچھی بات ہے کہ مجھے سب سے پہلے موقع دیا گیا۔ بلّم پھینکنا معمولی بات ہے۔ میں کیا یہ تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔''

ہاتھی نے سب سے پہلے ناچ دکھایا جو بڑا ہی بھدّا تھا۔ جسم بھاری تھا۔ ظاہر ہے اُس کے ناچ میں بھلا کیا کشش ہو سکتی تھی۔ اُس کے بعد اپنا سُونڈ اوپر اُٹھا کر وہ چنگھاڑا اور اُس نے تعریف کے پُل باندھ دیے کہ شہزادہ بننے کے بعد وہ کیا کیا کارنامے انجام دے گا۔

پھر اُس نے بلّم اٹھا کر اُوپر زور سے پھینکا۔ اُس نے پھر ''ایک، دو، تین'' گننا شروع کیا اتنے میں راجہ کا بلّم نیچے گر گیا۔ ہاتھی کا گھمنڈ ٹوٹ گیا اور شرم سے اُس نے اپنا سر اتنا جھکا لیا کہ اُس کی سُونڈ زمین کو چھونے لگی۔ اسے احساس ہو گیا کہ وہ ناکام رہا۔

اب جنگلی سانڈ کی باری تھی۔ اُس کی سینگ سے ہر ایک کو ڈر لگتا تھا۔

آتے ہی اُس نے ناچنا شروع کر دیا اور زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر اُس نے کہا ''میں اس بلّم کو سورج تک پھینک دوں گا۔ اس کے بعد میں راجہ کی لڑکی کا لائق شوہر بن کر راج پاٹ کروں گا۔''

اُس نے بلّم کو منہ میں پکڑ لیا۔ سر ہلا کر پھر اُس نے بڑے زور سے اپنی چوڑی اور نوکیلی سینگوں کے اُوپر پوری طاقت سے پھینکا۔

''ایک، دو، تین، چار'' سانڈ نے جلدی جلدی چار تک گن ڈالے اور وہ ہاتھی سے تیز نکلا لیکن بہر حال اس میں بھی پھرتی کی کمی تھی۔ قبل اُس کے کہ وہ ''پانچ'' کہے بلّم زمین پر آ چکا تھا۔ اپنی شکست پر اُسے بھی شرم آئی اور خاموشی کے ساتھ وہ گھنے جنگلوں میں غائب ہو گیا۔

چم پینزی تیسرا جانور تھا۔ خوشی میں وہ بھی اچھلتا کودتا رہا اور اُس کی کود پھاند دیکھ کر چیتے کی لڑکی خوب ہنسی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سینے کو پیٹا۔ اور لَے کے ساتھ گا گا کر اُس نے بتایا کہ چیتے کی جگہ لینے کا اُسے کتنا شوق ہے۔

پھر وہ پچھلے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ انسان کی طرح بلّم کو اُس نے ایک ہاتھ میں تھام لیا۔ اُس نے نہایت تیزی کے ساتھ اپنا لمبا بازو گھمایا اور بلّم کو زور سے اچھال دیا۔

''ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات'' تیزی سے وہ گنتا رہا۔ دوسرے جانور ہکّا بکّا رہ گئے۔ اگر زبان کی تیزی کا امتحان ہوتا تو یقیناً چم پینزی جیت سکتا تھا۔

لیکن وہ جیت نہ سکا۔ بہ مشکل وہ ''آٹھ'' بھی نہیں کہنے پایا تھا کہ بلّم دوبارہ اس کے ہاتھ میں واپس آ گیا۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے جانوروں نے دس تک گنتی گننے کی کوشش کی جب کہ بلّم ہوا میں معلّق رہتا۔ مگر کامیابی کسی کی قسمت میں نہیں تھی۔

راجہ نے کہا ''افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ مجھے کہیں اور سے شاہزادہ ڈھونڈھنا پڑے گا۔''

بھیڑ میں سے ایک ہرن باہر آیا۔

ہاتھی، سانڈ، یہاں تک کہ چم پینزی کے سامنے ہرن چھوٹا اور کچھ نحیف سا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی ٹانگیں لمبی تھیں۔ لیکن پتلی پتلی سی اور شک ہوتا تھا کہ اس کا اوپر کا دھڑ ان پر کیسے ٹکا ہوا ہے۔ البتہ خاص بات یہ تھی کہ ہرن ہوشیار تھا۔ اُس نے بہادری سے کہا: ''اے راجہ: کیا مجھے بلّم اچھالنے کی اجازت ہے؟ میرا بھی ارمان ہے کہ میں تمھاری لڑکی سے شادی کر کے شہزادہ بن جاؤں گا۔''

ہو ہو ہو ہی ہی ہی۔ دوسرے جانوروں نے ٹھٹھا مار کر اس کا مذاق اڑایا اور پھبتیاں کستے ہوئے انھوں نے کہا ''ایسا کمزور جانور بھلا راجہ کا بلم کیا پھینک سکتا ہے اور دس تک گنتی گننے کا سوال ہی نہیں ہے۔

ہرن کا ارادہ اٹل تھا۔ وہ ہمّت نہیں ہارا۔ اُس نے اصرار کیا۔ ''میں کوشش کرنا چاہتا ہوں۔''

راجہ چیتے نے سر ہلا دیا۔ آخر اُس نے سب سے وعدہ کیا تھا کہ قسمت آزمانے کا ہر ایک کو موقع ملے گا۔

راجہ نے مجمع سے کہا ''اسے بھی ہمّت سے کام لینے دو۔ کیا پتہ کہ وہ بلّم پھینک ہی دے۔'' سب خاموش ہو کر انتظار کرنے لگے۔

ہرن سامنے آیا۔ اپنی پتلی ٹانگوں کو ہلا کر اُس نے ناچ دکھایا راجہ کی لڑکی خوشی میں جھوم گئی۔ اُس میں شک نہیں کہ اُس کے قدم ٹھیک تھے۔ ہاتھی یا سانڈ یا چم پینزی کے قدم سے کہیں بہتر۔

اُس کے بعد ہرن نے بلّم پھینکا۔ سر ہلا کر اُس نے دُور اُوپر ہوا میں اچھال دیا۔ زمین پر گرنے سے پہلے چالاک جانور نے دو الفاظ زبان سے نکالے ''پانچ، دس'' پھر

اُس نے چیخ کر کہا۔ میں نے دس تک گن دیا۔ راجہ نے یہ تو کہاں نہیں تھا کہ گنتی کیسے گننی ہے۔''

چیتے کو ہنسی آ گئی۔ شاہانہ انداز میں اُس نے سر ہلایا۔ ہامی بھری۔ صحیح ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ دس تک کیسے گنا جائے۔ اور جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے کہ پانچ اور ایک دونوں طرح سے گنا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہرن بازی جیت گیا۔ اُس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ تم میں وہی سب سے ہوشیار اور عقل مند ہے۔ میری لڑکی کی اب اسی سے شادی ہوگی اور میرے مرنے کے بعد وہی راجہ ہوگا۔''

دوسرے جانور بدھو بنے ہرن کو دیکھتے رہ گئے۔ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ آخیر ہوا کیا۔ اگر چہ احساس ان کو بھی تھا کہ ہرن نے چیتے کو مات دے دی۔ راجہ چیتے نے جو شادی کی دعوت دی تو ہر ایک نے نئے شہزادے کو مبارک باد دی۔ دادا تنکو نے کہانی ختم کر کے ڈھولک نیچے رکھتے ہوئے کہا ''تو بچّو! یاد رکھو اور اسے گرہ میں باندھ لو کہ سب سے بھاری، سب سے مضبوط ہونا کچھ اچھا نہیں۔ اصل بات اور گُر کی بات یہ ہے کہ جو سب سے چالاک ہوتا ہے زندگی کی تگ و دو میں یا جدو جہد میں وہی زیادہ کامیاب ہوتا۔''

☆......☆......☆

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

گاندھی جی کے مختلف روپ

مصنف: اتو بندھو پادھیائے

صفحات: 211

قیمت -/25 روپے

باغ کی سیر اور د

مصنف پارو آنند

صفحات 103

قیمت -/22 روپے

غضب ناک صلیب

مصنف اے کے سری کمار

صفحات 152

قیمت -/32 روپے

ننھے منے گیت

مصنف کیدار ناتھ کومل

صفحات 63

قیمت -/12 روپے

بیرت پور کی سرگرمیاں

مصنف مترا چوکن

صفحات 167

قیمت -/35 روپے

آؤ سمندروں کی سیر کریں

مصنف محمد شمس الحق

صفحات 183

قیمت -/20 روپے

ISBN 978-81-7587-322-3

कौमी काउन्सिल बराए फरोग-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language

West Block-I, R K Puram New Delhi-110 066